یہ مختصر رسالہ فنِ نباتات پر ہے، اس میں نباتات کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر علمی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے، اور نباتات کی عام خصوصیات، غذا اور توانائی حاصل کرنے کے طریقوں، نائٹروجن کے قدرتی مخزنوں اور اس کے حصول اور نباتات کی افزایشِ نسل کے قدرتی نظام کو عام فہم اور سادہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے،

اخلاص مشرق از جناب شفیق جونپوری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۲ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت ۸؎، پتہ:- مصنف دفتر نظام ادب جونپور،

جناب شفیق جونپوری نواحِ مشرق کے مشہور شاعر ہیں، ان کے کلام کے بعض مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں، اخلاص مشرق ان کے قصائد حمد و نعت و منقبت اور دوسری مذہبی نظموں کا مجموعہ ہے مصنف گو نئے دور کے شاعر ہیں، لیکن فن سے باخبر اور شعر و ادب کے صحیح ذوق شناس ہیں، اس لئے ان کی شاعری قدیم و جدید کے امتزاج کا لطیف نمونہ ہے، زبان کی صحت و صفائی اور حلاوت و شیرینی ان کے کلام کا نمایاں وصف ہے، یہ تمام نظمیں خیالات کی بلندی و پاکیزگی، اور لطف زبان کے اعتبار سے پڑھنے کے لائق ہیں، کاغذ اور کتابت و طباعت اتنی خراب ہے کہ اس لطیف شراب کے جام سفالین سے نگاہ کو تکلیف پہنچتی ہے، تعجب ہے کہ مصنف کی شعریت نے اس کو کیونکر گوارا کیا،

کلام حرمان از جناب حرمان خیرآبادی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲؎، پتہ:- دفتر مجلس اردو نمبر ۴، جی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور،

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب مصنف کے کلام کا مجموعہ ہے، اس کا بیشتر حصہ غزلوں پر مشتمل ہے، چند نظمیں اور رباعیاں ہیں، شاعر کو اس سرزمین سے نسبت ہے جس نے ریاضؔ اور مضطرؔ کو پیدا کیا، اس نسبت کا اثر ان کے کلام میں ظاہر ہے، مصنف میں شاعری کی پوری صلاحیت ہے، اور جذبات و خیالات اور زبان و طرز ادا کے لحاظ سے کلام خاصہ ہے، لیکن ابھی نومشقی کی وجہ سے جا بجا خامیاں نظر آتی ہیں جن کا ہونا تعجب انگیز نہیں، اور جو امید ہے کہ مشق و مہارت سے دور ہو جائینگی،

"م"

جلد ۵۳ ماہ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۴ء عدد ۵

مضامین

شذرات

مسلمان طلبہ کی امداد کے لئے ڈاکٹر حامد علی صاحب حیدر آبادی کے گرانقدر عطیہ کی خبر جس کی مقدار تیرہ لاکھ ہی اخبارات میں شائع ہو چکی ہی، ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی اولوالعزمی اور ایسی عظیم الشان فیاضی کی یہ پہلی مثال ہی جس کی شکر گذاری ساری قوم پر فرض ہی، مخیر معطی کے حالات اور اس عطیہ کی تاریخ معلوم ہونے کے بعد اس کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، وہ کوئی موروثی دولتمند اور بڑے سرمایہ دار نہیں، بلکہ اپنی قوت بازو سے ترقی کرکے انھوں نے یہ دولت پیدا کی، موصوف ڈاکٹر ہیں اور حیدر آباد میں معمولی تنخواہ سے پندرہ سو ماہانہ تک ترقی کی، لیکن اتنے بڑے عطیہ کے لئے پندرہ سو ماہانہ کی کوئی بساط نہیں، موصوف کے دل میں شروع سے ہونہار اور حاجتمند مسلمان طلبہ کی امداد کے انتظام کی لگن تھی، اس مقصد کے لئے وہ طالب علمی کے زمانہ سے انتہائی سادگی اور کفایت شعاری کی زندگی بسر کرکے روپیہ بچاتے، اور اس کو بڑھانے کے لئے مختلف کاروبار میں لگاتے رہتے، انکی نیت کی برکت سے اسکی تعداد تیرہ لاکھ تک پہنچ گئی اور عمر بھر کی یہ ساری کمائی انھوں نے اک مشت قوم کے نوجوانوں کی تعلیم کے لئے وقف کردی،

کسی موروثی امیر کبیر کا قومی کام کے لئے اپنے معمور خزانہ کا کوئی حقیر حصہ دیدینا کوئی بڑی قیمت نہیں رکھتا، لیکن اپنی قوت بازو سے حاصل کیا ہوا ساری عمر کا سرمایہ جو تکلیف اٹھا کر جمع کیا گیا ہو اس طرح قوم کی نذر کردینا ایثار و قربانی کا وہ نمونہ ہے جس کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی،

قومی فیاضی کا یہ نمونہ ہماری پوری قوم خصوصاً صاحب ثروت طبقہ کے لئے سبق آموز ہی، اللہ تعالیٰ اسکو اس کی تقلید کی توفیق اور مخیر محسن قوم کو اس کار خیر کا صلہ عطا فرمائے،

ترقی پسند ادب کی عریاں نویسی اور فحش نگاری کے متعلق معارف میں بھی لکھا جا چکا ہی اور ہندوستان کے بہت سے سنجیدہ اصحاب علم اور اہل قلم حضرات نے بھی اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں، لیکن یہ وبا برابر پھیلتی جاتی ہے، اس پست اور مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت میں پنجاب کے بعض ادبی رسالوں کا قدم سب سے آگے ہی، اور انھوں نے ادب لطیف کے پردہ میں ادب کثیف کی اشاعت کو مستقل مقصد بنا لیا ہے، جس کو کوئی سنجیدہ انسان پڑھ نہیں سکتا،

پنجاب خصوصاً لاہور ہندوستان میں اردو ادب کی اشاعت کا سب سے بڑا مرکز ہے، لیکن افسوس وہاں کے برعکس نام نہند "ترقی پسند" ادیب، اپنی نافہمی سے اُسکے اس امتیاز کو داغدار بنا رہے ہیں، ناصاف آبادی کے اژدحام میں جہاں وبا کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، حفظان صحت کے اہتمام کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے، اس لئے پنجاب کی ادبی پیداوار کی نگرانی کی بڑی ضرورت ہی اور یہ فرض سب سے زیادہ وہاں کے سنجیدہ اصحاب قلم پر عائد ہوتا ہی جن کی لاہور میں کمی نہیں، وہاں زمین شعر و ادب کے زمیندار بھی ہیں، آسمانِ صحافت کے مہر بھی ہیں، راہِ ادب کے سالک بھی ہیں، انکا فنون کی تطہیر کے لئے زمزم و کوثر بھی موجود ہیں، ان کی موجودگی میں یہ ادبی گمراہی حیرت انگیز ہے، ان کی نوک قلم میں تو بڑے بڑے فاسد مادوں کو خارج کردینے کی قوت ہے، یہ ادبی فساد تو ان کی ادنیٰ توجہ سے دور ہو سکتا ہے،

گذشتہ مہینہ اسلامک ہسٹری کانفرنس کا دوسرا اجلاس اسلامیہ کالج پشاور میں منعقد ہوا، اس کے

قائم مقام سکریٹری جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے اس کی روداد ہمارے پاس اشاعت کے لئے بھیجی ہے، جو اسی پرچہ میں شائع کیجارہی ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر عربی، انگریزی اور اردو میں مقالات پڑھے گئے اور اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و فنون اور عربی فارسی اور ترکی زبانوں کی اشاعت و ترقی نادر قلمی کتابوں کی فہرست سازی اور اسلامی آثار قدیمہ کے تحفظ کے متعلق بہت سی مفید تجویزیں منظور ہوئیں، ابھی کانفرنس کی عمر دو تین سال سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے پابندی کے ساتھ اس کے اجلاس ہوتے رہنا بھی غنیمت ہے، لیکن آیندہ ہم کو اس کے فاضل کارکنوں سے اس سے زیادہ ٹھوس کام کی توقع ہے، اگر کانفرنس کی جانب سے اس کا مجوزہ رسالہ نکل جائے تو یہ ایک مستقل اور مفید کام ہوگا، اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و فنون کے سنجیدہ علمی رسالوں کی تعداد انگریزی اور اردو ملاکر دو چار سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے ایسے رسائل کی بڑی ضرورت ہے۔

حضرۃ الاُستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کی صحت کچھ عرصہ سے برابر خراب رہتی ہے، گذشتہ مہینہ مزاج زیادہ ناساز ہوگیا تھا، اب بفضلہٖ تعالیٰ افاقہ ہے، لیکن ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق کچھ دنوں تک مکمل آرام کی ضرورت ہے، اور زیادہ خط و کتابت کی بھی اجازت نہیں، گرمی کی شدت کی وجہ سے مئی، جون دو مہینے دارالمصنفین میں قیام بھی نہ رہے گا، اس لئے ناظرین معارف اور دوسرے تعلق رکھنے والے اصحاب سے گذارش ہے کہ وہ موصوف کی صحت کے خیال سے کچھ دنوں تک غیر ضروری خط و کتابت خصوصاً ایسے خطوط سے احتراز فرمائیں جن کے جواب میں دماغی بار پڑنے کا احتمال ہو، باقی ضروری خطوط کا جواب ملتا رہے گا۔

مقالات

خطبۂ صدارت مجوزہ اردو کانفرنس بنگال

"اواخر ۱۹۳۹ء یا شروع ۱۹۴۰ء مین بنگال مین اردو کانفرنس بڑے پیمانہ پر منعقد ہونے والی تھی اوس کی صدارت کی خدمت حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے سپرد ہوئی تھی، مگر کسی وقتی مجبوری سے یہ مجوزہ کانفرنس منعقد نہ ہوسکی، اس کانفرنس کے لئے جو خطبۂ صدارت لکھا گیا تھا اس مین اردو و ہندی کے مسئلہ کے بعض پہلوؤن اور بعض ایسے نظریون اور دلیلون پر غور کیا گیا تھا جو آج کل بھی ہندی کے بعض ممتاز حامیون کے قلم و زبان پر ہیں، اتفاق سے اس وقت کاغذات میں اس خطبہ کا مسودہ مل گیا جس کو ذیل مین شائع کیا جاتا ہو کہ ان مسائل پر صحیح نقطۂ نظر بھی سامنے آجائے، اسی طرح خطبہ کے آخر میں بنگال کے مسلمانون سے جو کچھ خطاب کیا گیا تھا، وہ آج بھی اُن توجہ کا طالب ہو۔"

"س"

ہم زبانو! ممنون ہون کہ آپنے اپنی محفل کی صدارت کی عزت دیکر اپنی زبان کی خدمت کا ایک اہم موقع عنایت فرمایا، آج کل نہ صرف دنیا ایک نازک دور سے گذر رہی ہے، بلکہ خود ہمارا ملک بھی ایک ایسے پرخطر دور سے گذر رہا ہے کہ اگر مسلمانون نے تھوڑی سی غفلت برتی تو پھر اس نقصان کی تلافی صدیوں میں بھی نہیں ہوسکتی، ہم آپس میں سیاسیات میں کتنے ہی مختلف ہون، مگر اس بارہ مین ہم مین سے ایک کو بھی اختلاف نہیں کہ ہم کو اس ہندوستان مین مسلمان ہی ہوکر جینا اور مسلمان ہی ہوکر مرنا ہے، البتہ یہ خیال ہمارے ساتھ ہے کہ ہم ہندوستانی مسلمان ہین، اس لئے ہم پر

جس طرح بحیثیت مسلمان ہونے کے فرائض ہیں، بحیثیت ہندوستانی ہونے کے بھی ہم پر کچھ حقوق ہیں، اور جہاں تک ہو سکے ان فرائض اور حقوق کے دوہرے بوجھ کو اٹھا کر ہی آگے کو چلنا ہے، اور ایسی کوشش کرنا ہے کہ ان دونوں میں تصادم اور ایسی ٹکر نہ ہو جو دونوں کو پاش پاش کر دے،

ہم نے اس مشکل کو اسی دن سمجھ لیا تھا جس دن اس سرزمین پر پہلی مرتبہ پاؤں رکھا تھا، یہ اسی رواداری اور صلح جوئی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان اس ملک میں خواہ عرب سے آئے، ترکستان اور خراسان سے آئے، ایران سے آئے، افغانستان سے آئے، مگر یہاں آکر نہ وہ عرب رہے، نہ ترک رہے، نہ ایرانی رہے، اور نہ افغانی، خالص ہندوستانی ہو گئے، عربوں نے عربی، ترکوں نے ترکی، ایرانیوں نے فارسی اور افغانوں نے پشتو چھوڑ کر اسی دیس کی بولی، اپنی بولی بنائی، اور ایسی بنائی کہ وہ اس زبان میں شاعری اور انشا پردازی کرنے لگے، اردو تذکرہ کی کتابوں میں سیکڑوں ایسے شاعر ملیں گے، جن کے حال میں لکھا ہوگا کہ ان کے باپ دادا، عرب، ایران اور ترکستان سے آئے، مگر وہ خود اسی ملک کی زبان بولنے اور اس میں دادِ سخن دینے لگے،

آج ہمارے دیس کی جو بولی ہے، اور جس کو آج سب ہندو مسلمان بول رہے ہیں، وہ اسی دیس کی پیداوار ہے، وہ عرب، ایران، ترکستان سے نہیں آئی، فرق اتنا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی زبانوں کے کچھ لفظ بھی اس میں ملا دیئے، اور ایسا ہونا ضروری تھا، زبان بولنے والوں کی ضرورتوں کا آئینہ ہوتی ہے، اس لئے مختلف قوموں کے درمیان ان قوموں کی مختلف ضرورتوں کی بنا پر اختلاف ہونا ضروری ہے، ایسے اختلاف سے ایک زبان دو نہیں بن جاتی، مسلمانوں کا ایمان ایمان ہی ہے، اور ہندوؤں کا دھرم دھرم ہی رہے گا، ہمارا مذہبی فاقہ روزہ کہلائے گا، اور ان کا برت، ہم حج اور زیارت کرتے ہیں، اور وہ تیرتھ، ہمارا مردہ جنازہ ہوتا ہے، اور ان کا ارتھی، ہم مر کر جنت جاتے ہیں، اور وہ بیکنٹھ، لیکن اس اختلاف کو اتنا بڑھانا کہ ہم پانی پئیں، اور وہ جل، ہم اور کہیں، اور وہ تھا، اور ایسے ہی اختلافوں کو اور بڑھا بڑھا کر ایک بولی کو دو بنانے کی کوشش کرنا ہمارے نزدیک مسلمانوں کا جرم عظیم اور ہندوؤں کا مہا پاپ ہے،

یہ زبان جس کو ہم ہندو مسلمان آج بول رہے ہیں، یہ آج نہیں ایک ہزار برس میں بنی ہے، اس کے بنانے میں ہندو مسلمان بزرگوں کی ایک ہزار برس کی عمر بیتی ہے، یہ ہندوستان میں ہندو مسلمان سمجھوتہ کی سب سے بڑی یادگار ہے، جو لوگ اس زبان کو مٹانا چاہتے ہیں، وہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات کو نئے سرے سے پھر الجھانا چاہتے ہیں، اور ایک ہی ملک بلکہ ایک ہی صوبہ، بلکہ ایک ہی شہر، بلکہ ایک ہی گاؤں میں ایسی برابر کی قومیں پیدا کرنا ہے جو ایک دوسرے کی نہ سمجھ سکیں، اور جب ایک دوسرے کی زبان نہ ملے گی، تو دل کیا ملے گا،

ہندو بھائیوں کے ایک طبقہ میں اس زبان کے خلاف جو جذبہ کام کر رہا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ بدیسی ہے، اور قومیت پروری کا اقتضا یہ ہے کہ ہم اپنے دیس کی بولی بولیں، اور بدیسی بولی کو چھوڑ دیں، حالانکہ ہندوستان کی کوئی زبان چند بدیسی عربی اور فارسی لفظوں کے مل جانے سے عربی اور فارسی نہیں بن جائیگی، جیسے چند انگریزی لفظوں کے ملنے سے انگریزی نہیں بن جاتی، اگر ہم کو بدیسی سے ایسی ہی چڑ ہے تو پہلے یہاں سے مسلمانوں، عیسائیوں اور پارسیوں کو نکالنا چاہئے، انگریزی علوم اور تمام یورپین ایجادات اور وہاں کی مصنوعات سے ملک کو خالی کر دینا چاہئے، بلکہ خود سنسکرت کو یہاں سے خارج کیجئے، کہ وہ بھی سنٹرل ایشیا سے آئی ہے، اور برہمنوں کو بھی نکالئے کہ وہ بھی باہر سے آئے ہیں،

صاحبو! راہیں دو ہیں، ایک یہ کہ ہم یہ سمجھیں کہ ہندوستان خالص ہندوؤں کا ملک ہے، اس میں جو کچھ ہو وہ خالص ہندوانی ہو، زبان وہی ہو، لباس وہی ہو، تعمیر وہی ہو، مذاق وہی ہو، علم و فن وہی ہوں، اور جو بھی اس ملک کی چہار دیواری کے اندر رہے، وہ اسی کا محکوم ہو کر رہے، یہ راہ بیحد خطرناک اور مشکلوں سے بھری ہوئی ہے اور اس راہ کی کامیابی میں بہت کچھ شک کیا جا سکتا ہے، دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ ہندوستان ایک گلدستہ ہے جس میں طرح طرح کے پھول کھلے ہیں، ع

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

لیکن رنگ و بو کے اس اختلاف کے باوجود وطن خواہی کے دھاگے نے ان سب کو ایک جگہ باندھ کر ایک

بنا دیا ہے، یہ وہ راستہ ہے، جس پر چل کر ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی قوم زندہ رہ سکتی ہے، اور کل کا جز بنکر کل کی طاقت کا باعث ہو سکتی ہے،

میرے نزدیک کسی ہندو طبقہ کا قومیت و وطنیت کے مفہوم کو اتنا تنگ سمجھنا کہ خود اس ملک کے مختلف رہنے والے بھی وہان کے اصلی رہنے والے ثابت نہو سکین، ان کی وہی موروثی اور پرانی تنگ خیالی ہے جس نے تاریخ میں ان کو ہمالیہ اور سمندر کی چہار دیواریون مین بند اور چھوت اور اچھوت کی پرانی لڑائی ہزارون برس سے کھڑی کر رکھی ہے، اور جس نے تاریخ کے ہر دور مین ان کے اندر نفاق پیدا کیا ہے، اور انہی کے اندر کے مظلوم فرقون کو مجبور کیا ہے، کہ وہ باہر کا سہارا ڈھونڈین، اور باہر والون کو اپنی مدد کے لئے اپنے گھر بلائین، اور نتیجہ مین اپنے ساتھ دوسرون کو بھی غلامی کی زنجیرون میں اسیر کرائین، یہ ایک تاریخی نکتہ ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہین لیکن جسکو کسی موقع پر کبھی بھولنا نہیں چاہیے،

اس زبان کو جو اس وقت ملک کے بڑے حصہ مین بولی اور سمجھی جاتی ہے 'خالص اسلامی بولی' سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے یہ ہندو مسلمانون دونون کی محنتون اور کوششون سے بنی اور پروان چڑھی ہے، یہ حقیقت ہے، لیکن اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش برابر جاری ہے، لیکن حقیقت کی سچائی چھپائے نہین چھپ سکتی، ہم خود بھی اس غلطی مین تھے کہ شاید تیس چالیس برس کی لگاتار کوششیں اس حقیقت پر پردہ ڈال چکی ہین، مگر پچھلے سال اردو دن منانے کی جو تحریک ہوئی، اور اس مین پنجاب سے لیکر بہار تک کے مسلمانون کے ساتھ ہندو دوستون نے بھی جو دلچسپی لی، اور جو تقریرین کیں، اُن سے یہ پتہ چلا کہ یہ زبان ملک کی زبان ہی نہین، بلکہ دل مین بھی اتر چکی ہے، اور حقیقت کے پہچاننے والے ہندو دوست بھی اس کی سچائی کو دل سے مانتے ہین، اور اسی کو اپنی مادری زبان مانتے ہین، خصوصیت کے ساتھ سر تیج بہادر کی وہ فاضلانہ تقریرین جو الٰہ آباد، لکھنؤ، پٹنہ، حیدرآباد اور ابھی کشمیر مین ہوئین، ان سے ہم کو پوری طرح یقین ہوتا ہے، ملک مین بہت سے ایسے سمجھدار ہندو ہین جو سچائی کے ساتھ اس حقیقت کو مانتے ہین، اور ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھتے ہین کہ سنسکرتی

ہندی کے خواہشمند در اصل ملک کے باشندون کے درمیان تفریق اور عناد کا بیج بو رہے ہین،

الٰہ آباد یونیورسٹی کے لائق وائس چانسلر پروفیسر جھا نے بھی جنیو پہنے ہوئے گوالیار میں ایک تقریر فرمائی ہے جس مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سنسکرتی ہی ہندی ہندوستان کی عالمگیر زبان بن سکتی ہے، یہ خیال واقعات اور عملی سیاسیات سے قطع نظر کرکے ظاہر کیا گیا ہے، اور یہ سمجھ کر ظاہر کیا گیا ہے، کہ گویا ہندوستان مین آریہ برہمنون کے سوا کوئی اور قوم نہیں بس رہی ہے، یہ خیال مدراس اور دکن مین ظاہر کیا جاتا، تو پروفیسر صاحب کو معلوم ہو جاتا، کہ یہ واقعات کی منطق سے کس قدر دور ہے، وہان کی ڈراویڈی قومین جو تامل، تلگو اور کنٹری بولتی ہین، وہ ہندی پرچار کی اس لئے مخالف ہیں کہ وہ سمجھتی ہین کہ ہمارے دشمن آریہ برہمن اس بہانہ سے ہماری زبانون کو اور کلچر کو مٹانا چاہتے ہین جب یہ خیال ایک ایسے طبقہ کا ہے جو مذہب کے رو سے گویا ہندو ہی ہے، تو ملک کے اس طبقہ کا یہ خیال کیون نہ ہو جو اتحاد وطن کے علاوہ ہر حیثیت سے ان سے الگ ہے

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ زبان اسلامی زبان ہے، تب بھی یہ کوئی کہہ نہیں سکتا، کہ اقلیت والی زبان کے چل جانے سے اکثریت والی قوم کے رواج و تمدن و تہذیب مٹ جائیگی، وہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر ہمیشہ قائم رہے گی، جیسا کہ اب تک قائم رہی ہے، لیکن اقلیت کی اوس زبان کے مٹ جانے سے جس کے مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے تو اقلیت کے خاتمہ مین کوئی شک ہی نہیں رہتا، کیونکہ اوس کی عمارت تو اسی قسم کے ستونون پر کھڑی رہ سکتی ہے،

پنجاب کے ایک ہندو پروفیسر نے یہ بات خوب کہی ہے کہ اردو مادری زبان کی حیثیت سے تو اُسی ملک میں بولی جاتی ہے، جہان ہندو آبادی کی اکثریت ہے، یعنی انبالہ سے لیکر بھاگلپور تک، اور جہان مسلمانون کی اکثریت ہے، جیسے کشمیر، صوبہ سرحد، سندھ، پنجاب اور بنگال، وہان کے ہر ایک صوبہ مین اوسی صوبہ کی زبان ان کی مادری زبان ہے، کشمیر کے مسلمان کشمیری، سندھ کے سندھی، سرحد کے پشتو، پنجاب کے پنجابی، اور بنگال کے بنگالی بولتے ہین، اس لئے اس زبان کو اسلامی کہنے کے بجائے ہم ہندوی کہہ سکتے ہین لیکن باوجود اس کے مسلمانون نے اس زبان

قومی اور ملکی یکرنگی کی خاطر اپنی قومی اور ملکی زبان بنایا ہے، اور چونکہ صدیون سے اس کو اپنی عمومی زبان بنا چکے ہین اس لئے کوئی وجہ نہین ہے کہ اب اوس کی جگہ کسی دوسری زبان کو دی جائے،

یہان پر اس غلطی کو بھی دور کر دینا چاہئے، جو اکثر لوگون کی زبانون سے نکل جاتی ہے، کہ ان صوبون مین جہان اُن کی الگ الگ بولیان ہین، مسلمان اور ہندو ایک ہی بولی بولتے ہین جیسے بنگال مین بنگالی مسلمان اور بنگالی ہندو ایک ہی زبان رکھتے ہین، ایسے ہی گجرات مین گجراتی، اور مرہٹہ مین مرہٹی، اور مدراس مین کنڑی، اور تلگو وغیرہ، مگر یہ سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی، سچ تو یہ ہے کہ بے شبہہ ان زبانون کے فعل اور حرف تو وہان کے ہندو اور مسلمان ایک ہی بولتے ہیں، مگر اسما مین ان دونون قومون مین اتنا ہی فرق ہے جتنا ان کے تمدنون اور ضرورتون یا پچھلی روایتون مین، ایک مسلمان بنگالی پروفیسر نے مجھے بتایا کہ مسلمان بنگالی پانی بولے گا، اور ہندو بنگالی جل، مسلمان بنگالی خالہ کو کھالا کہے گا، اور ہندو بنگالی موسی وغیرہ، اور گجراتی اور مرہٹی کا تو مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ مسلمان گجراتی، پارسی گجراتی، اور ہندو گجراتی مین اتنا ہی فرق ہے، جتنا ان کی قومون میں، یہی حال مرہٹی کا ہے، کہ مسلمانی مرہٹی، ہندو مرہٹی، سے امتیاز رکھتی ہے، یہی بات مدراس کی ہندو مسلمان بولیون کا ہے، اور ایسا ہونا قدرتی بات ہے، ہمارے نزدیک بھی اردو اور ہندی مین بھی اتنا ہی فرق ہونا چاہئے اس سے زیادہ نہین، لیکن اس سے آگے بڑھکر یہ کہنا اور سمجھنا کہ سنسکرتی ہی ہندی ہماری اصلی بولی ہونی چاہئے، دیس کے اتحاد اور یکتا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہے،

ابھی پہلی اکتوبر ۳۹ء کے پائنیر مین الہ آباد یونیورسٹی کے سنسکرت ریڈر پروفیسر سکسینہ کا جو مضمون ہندوستانی زبان پر نکلا ہے، وہ ان کے طبقہ کے خیال کا پورا آئینہ ہے، صوبہ یو پی کے ایک وزیر تعلیم نے اسمبلی کی ایک تقریر مین بہت خوب کہا کہ نہ ہندو تمدن، نہ مسلمان تمدن، بلکہ ہندوستانی تمدن، میری عرض ہے کہ اس فلسفہ کو اور آگے بڑھائیے اور کہئے کہ نہ ہندو بولی نہ مسلمان بولی، بلکہ ہندوستانی بولی، لیکن کیا وفاداری کے ساتھ ہم سب اس کے ساتھ ہین،

ہمارے وزیر تعلیم نے ابھی بنارس مین ہندی کے ایک جلسہ مین فرمایا ہے کہ اردو ہندی جھگڑے کا فیصلہ قدرت نے خود کر دیا، یعنی یہ کہ اب نوے فیصدی لڑکے ہندی لے رہے ہین، جہان تک کاغذ اور امتحان کے پرچون کا

تعلق ہے، ہمارے وزیر صاحب کا سرکاری بیان بالکل صحیح ہے، لیکن جہانتک واقعیت کا تعلق ہے یہ بیان ابھی صداقت سے بہت دور ہے، اگو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے ہم وطنون مین جھوٹی قومیت پرستی کا یہی جذبہ باقی رہا تو یہ بیان آگے چل کر واقعی صداقت نہ بن جائے گا،

صوبہ بہار مین جو ہندوستانی کمیٹی دو سال سے بنی ہے، اس مین اسی کی کوشش کی جا رہی ہے، کہ اونچی اردو اور کڑی ہندی سے اتر کر بیچ کی ہندوستانی کو ادب اور تعلیم کی زبان بنا کر پھیلایا جائے، چنانچہ اسی اصول پر ڈاکٹر تاراچند اور مولوی عبدالحق صاحب ہندوستانی لغت اور ہندوستانی اصطلاحون کا کام کر رہے ہین، اور ہم لوگ ہندوستانی ریڈرون کی زبان درست کرنے کا کام اپنے ذمہ لے رہے ہین لیکن ہم کو معلوم ہے کہ اس تحریک کے دبانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے، اور اس کی کھلی مثال پروفیسر سکسینہ کی وہ تحریر ہے جس کو اونھوں نے بہار کی ہندوستانی کمیٹی سے استعفا دیتے ہوئے لکھا ہے،

یوپی کی کانگریسی حکومت کے صیغۂ تعلیم کا غالباً یہ منشا تھا کہ اردو اور ہندی کو ابھی ایک ساتھ چلنے دیا جائے لیکن قومی کوششون کے علاوہ سرکاری امدادی ذریعون سے بھی ایسی کوشش کی جائے، کہ سنسکرتی ہندی کا پلہ دن پر دن بھاری ہوتا چلا جائے، یہان تک کہ اردو کس مپرسی سے اپنی موت آپ مر جائے، اور سنسکرتی ہندی ہر جگہ چھا جائے، پھر اس وقت کا وزیر تعلیم بے جھجک یہ کہہ سکے گا کہ اردو ہندی کا فیصلہ خود بخود ہو گیا، کیونکہ اب سو فیصدی لڑکے ہندی پڑھ رہے ہین،

پہلے تو اکیلے میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے اسکولون مین لڑکون کو ہندی پڑھانے پر زور دیا جاتا تھا، اور اردو کے استاد نہ ہونے یا نہ رکھنے کے سبب وہان لڑکون کو ہندی سیکھنے پر مجبور کیا جاتا تھا، یا وہ مجبور ہوتے تھے، اب آج کل کی روشنی مین یہ اندھیر ہو رہا ہے کہ ہندی کی کوششون مین اوپر سے نیچے تک سرکاری عہدہ دار اس کام مین لگے ہوئے ہین، جگہ جگہ دورے کرتے ہین، جلسون مین اپنی [illegible] کی حیثیت سے جاتے ہین، اور ہندی کی ترقی کے لئے پورا زور دکھاتے ہین، حالانکہ ان کو یا تو دونون کے ساتھ ایک طرح کا برتاؤ کرنا یا دونون سے ناطرفدار

ہوجانا چاہئے، میرے خیال میں یہ کانگریس کے ساتھ ہمدردی نہیں بلکہ کھلی دشمنی ہے، اور مسلمانون کے ذہن مین یہ غلطی بٹھانی ہے کہ جب ہم آدھے اختیار پاکر یہ کر رہے ہین تو پورا اختیار پاکر کیا کچھ نہ کرین گے، ملک کی پالٹیکس پر اس غلطی کا جو بُرا اثر پڑ رہا ہے، اور جو آگے پڑے گا، وہ چھپا نہین، مین نے اس وقت صفائی سے جو کچھ کہا ہے امید ہے کہ ہمارے دوست اوس کو نیک نیتی سے سنین گے، اور کہنے والے کی بھی نیک نیتی سمجھین گے،

زبان کے مسئلہ میں ہماری پالیسی کھلی ہوئی یہ ہونی چاہئے، کہ زبان وہ ہے جو بازارون مین بولی، اور عدالتون اور اسٹیشنون میں سمجھی جاتی ہے، اور جو ہندو مسلمان دونون کے بیچ مین سمجھنے اور سمجھانے کے کام مین آتی ہو، وہ نہین جو شبد ساگرون اور قاموسون مین لکھی ہوئی ہے، اس بولی کے لفظ بازار کے چلتے ہوئے سکے ہین، نہ کہ کونون اور گوشون مین پڑے ہوئے زنگ کھائے ہوئے غزنوی اور بکرماجیت کے زمانہ کے سکے، جن سے پرانی یادگارون کے ماہر اور پرانی تاریخ کے شائق تو فائدہ اٹھا سکتے ہیں، مگر ان سے بازار کے چلن کا کام نہین لیا جا سکتا،

مسلمان اس مسئلہ مین بھی وہی کوتاہی کر رہے ہیں جو ان کے ہر قومی کام مین ہے، یعنی یہ زبان اور قلم کے تیر بنے ہوئے، صرف بول رہے ہین، اور لکھ رہے ہین، کچھ کر نہین رہے ہین، ان کو یقین کرنا چاہئے کہ زبان اور قلم کے یہ بند اس سیلاب کے دھارے کو نہین روک سکتے، جو پورے زور سے بہ رہا ہے، ضرورت ہے کہ ہم ہاتھ پاؤن ہلائین اپنی گاڑھی کمائی کے کچھ ٹکڑے مانگنے والون کی جھولی مین ڈالین،

ان پڑھون کو پڑھانے کی جو تحریک دو برسون سے چل رہی ہے، ہمارے نوجوان اس کے لئے ابھی تک کچھ نہین کر سکے ہین، کچھ برسون کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ اردو اور ہندی پڑھے لکھون مین تعداد کا کتنا بڑا فرق ہو گیا اور اس فرق کی وجہ سے اگر کوئی نتیجہ ہماری توقع کے خلاف نکلے، تو اس کی ذمہ داری ہمارے ہی سر ہوگی،

پورے ملک مین انجمن ترقی اردو کے علاوہ اردو کی دیکھ بھال اور ترقی کے لئے کوئی دوسری انجمن نہین ہے، اور اس کی شاخین بھی صرف بڑے بڑے صوبون تک ہین، شہر شہر اس کی شاخین اور ان شاخون مین کام کرنے والے

لوگ نہین، جب تک ہم پوری سرگرمی اور جوش وخروش سے کسی کام کو نہین کرین گے، اوس کا ہونا معلوم،

بڑی بڑی کتابون اور تصنیفون کو چھوڑ کر جن کے پڑھنے والے کم ہین، ہم کو عوام کی خاطر چھوٹی چھوٹی عام پسند کتابین اور رسالے سیکڑون اور ہزارون کی تعداد مین چھپوا کر پھیلانا چاہئے، بلکہ اگر ہو سکے تو ہندی خط مین صاف ستھری بولی کی کتابین بھی لکھوائی اور چلائی جائین، اور بتایا جائے کہ ہم اس ہندی کے خلاف نہین، جو ہندو مسلمان دونون کی زبان ہے،

ملک کی زبان کے مسئلہ کو طے کرنے کے لئے صحیح راستہ یہ ہو کہ ہندوستانی اردو یا اوس کو آسان ہندی کہ لیجئے ہندو مسلمانون کی مشترک زبان ہے، اور خالص ہندی کی حیثیت وہ ہے، جو مسلمانون کی فارسی کی ہے، اور سنسکرت کا درجہ عربی کا ہے، اگر ہم اس تصفیہ پر ایک ہو جائین تو ہماری سب مشکلین دور ہو جائین، مگر افسوس ہو کہ ملک مین ایک طبقہ ایسا ہے جو نہ صرف ہندی، بلکہ سنسکرتی ہندی کو ہندوستان کی زبان بنانے پر تلا ہے، اور وہ ایک ایسی غلطی کر رہا ہے، جس سے قومی تنگدلی کے سوا کوئی دوسرا فائدہ نہین پہنچ سکتا، اور جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا، کہ ملک دو حصوں میں بٹ جائے،

ابھی تک گو کہ چالیس برس سے یہ طبقہ یہ سمجھانے کی پوری کوشش کر رہا ہے، کہ اردو مسلمانون کی اور ہندی ہندوؤن کی زبان ہے، پھر بھی واقعہ یہ ہے کہ اردو ہندو مسلمانون کی مشترکہ زبان باقی ہے، ہندو اخبار اور رسالے اس زبان مین نکل رہے ہین، ہندو مصنف اس زبان مین کتابین لکھ رہے ہین، ابھی ستمبر کے اخیر مین یوپی سرکار کے صیغۂ توسیع تعلیم مین دیہاتی لائبریریون کے لئے کتابین مانگی گئی تھین، اس سلسلہ مین ۸۰۰ اردو کتابین اور ۱، اردو کے مسودے اس صیغہ کو موصول ہوئے، ان چھپی ہوئی کتابون مین آدھی سے کچھ کم کتابین ہندو مصنفون کی تھیں، اور مسودون مین ۱، مین سے ۲۶ مسودے ہندو مصنفون نے بھیجے تھے، ہم اس واقعہ سے اس نتیجہ پر پہونچتے ہین، کہ سمجھدار ہندو طبقہ جس نے تنگ خیالی سے اپنے کو اونچا رکھا ہے، ابھی تک ہمارے بزرگون کے اس فیصلہ کو کہ "یہ زبان دونون قومون کی مشترکہ میراث ہے" مان رہا ہے، اور اس کی

پختگی کے ساتھ یقین رکھتا ہے،

بعض مسلمان مصنفون نے جنھون نے اردو زبان کی تاریخ لکھی ہے، یہ بڑی غلطی کی ہے کہ اونھون نے اس زبان کی تاریخ لکھتے وقت مسلمانون کی کوششون کا ذکر تو پورا کیا ہے، لیکن ہندو شعراء اور اہلِ زبان و اہلِ قلم کی کوششون کو نظر انداز کردیا ہے، ضرورت ہے کہ اب اس زبان کی ایک ایسی تاریخ لکھی جائے، جس میں دونون کی محنتون اور کوششون کی پوری تفصیل ہو، آج یہ واقعہ کس کو معلوم ہے کہ لکھنؤ میں اردو شاعری کا سب سے بڑا استاد رائے سرب سنگھ دیوانہ تھا، جس کی تربیت کی گود مین لکھنؤ کے اچھے اچھے شاعر مرزا جعفر علی حسرت اور میر حیدر علی حیران پلے تھے، لالہ کانجی لال جیا، چندر بھان راقم، پنڈت دیا شنکر نسیم، تفتہ، پنڈت رتن ناتھ سرشار، چکبست، برق، ہتر ورشاد، نوبت رائے نظر، ساحر دہلوی، دیا نرائن نگم، پریم چند، کشن پرشاد کول، پنڈت برجموہن دتاتریہ وغیرہ کی کوششون کا پایہ کم نہین ہے، یہ چند نام یون ہی زبان پر آگئے ہین، ورنہ اگر ان کے نامون اور کامون کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر ہو جائے،

غرض یہ ہے کہ جس راستہ پر ہمارے بزرگ اب تک چلتے آئے ہین، وہی راستہ ہمارے اتحاد اور آگے کے کام کی ضمانت ہے، اس کو چھوڑ کر جو دوسرا راستہ اختیار کیا جارہا ہے، وہ ہم سب کو گمراہ کردے گا،

یہ کہنا بھی درست نہین کہ چونکہ ہم کو بنگال، مہاراشٹر اور مدراس کے لوگون کو ملا کر چلنا ہے جن کی صوبہ وار زبانین سنسکرت ماخذ سے ملتی ہین، اس لئے سنسکرتی ہندی ہی ان سب کو ایک کرسکتی ہے، یہ دلیل ایک آنکھ بند کرکے پیش کی جاتی ہے، اگر ہم دونون آنکھین کھول کر دیکھین تو معلوم ہوگا، کہ ہم نے یہ دلیل دیتے وقت واقعی ایک آنکھ بند کرلی تھی، اس لئے ہم نے آدھے ہندوستان کو دیکھا اور آدھے کو نہین دیکھا، کیا ہندوستان کے مین کشمیر، سرحد، سندھ، بلوچستان اور پنجاب نہین، ان کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے ان لوگون کی زبانون کے اصلی ماخذون سے کیون آنکھین بند کیجاتی ہین، اس کے علاوہ ڈراویڈی زبانون سے کیون غفلت برتی جائے، جن کو نہ اردو سے لگاؤ ہے، اور نہ ٹھیٹھ ہندی سے، اس پر بھی اسلامی مدراس کے ہر حصہ مین اردو بولی اور اس

زیادہ سمجھی جاتی ہے، اور ملیبار تک اوس کا نشان پایا جاتا ہے،

الہ آباد یونیورسٹی کے لائق پروفیسر جھا نے اپنی ستمبر ۱۹۳۹ء کی گوالیار والی تقریر مین فرمایا ہو:-

"اردو ڈیڑھ سو برس سے اتر ہندوستان کے اون شہرون کی زبان ہے جو اسلامی تہذیب کے مرکز تھے اور مسلمان دربارون کی اور اُن کی جو اون دربارون سے لگاؤ رکھتے تھے، مشترک زبان تھی اور جس کی شاعری کا وزن، محاورہ اور تشبیہین کوئی چیز ہندوستانی نہین"

اردو کا لفظ گو بہت پیچھے کا ہے، اسی لئے مین اس نام کو صحیح نہین سمجھتا، لیکن اس سے مقصود تو وہ زبان ہے جو مسلمانون کے یہان آنے سے پہلے سندھ یا پنجاب یا ہریانہ اور دہلی کے آس پاس بولی جاتی تھی، اور جس مین مسلمانون کے آنے سے کچھ ان کی ضرورت کے عربی فارسی یا ترکی لفظ ایسے گھل مل گئے کہ اب وہ اپنے اصلی معنون مین بہت کم رہ گئے ہین کیا اس زبان کی تاریخ ڈیڑھ سو برس کی ہے، اور کیا وہ مسلمان دربارون مین بنی ہے اور کیا اس کے خیالات، محاورون اور مثلون مین کوئی چیز ہندوستانی نہین، ہندوستانی اکاڈیمی کے کسی پچھلے نمبر مین شاہ معین الدین ندوی کا وہ مفصل مضمون چھپ چکا ہے جس مین دکھایا گیا ہو کہ اس زبان مین ہندی تمدن اور تہذیب کا کتنا بڑا حصہ ہی،

اردو مین جو تاریخی اور فرضی نام اس کے ادب کا جز ہین، ان مین اسلامی اور غیر اسلامی سب ہی قسم کے نام ہین، رستم، سہراب، حاتم، سکندر، دارا، افلاطون، ارسطو، جمشید، فرعون، نمرود، ان مین کوئی بھی مسلمان نہین، یہ اسلام سے پہلے کے عربی یا اسلام سے پہلے کے ایرانی، مصری اور یونانی نام ہین، یہ نام پچھلی دنیا مین وہی حیثیت رکھتے تھے، جو آج نپولین، قیصر، سالسبری، بسمارک، جارج واشنگٹن، ہٹلر، مسولینی وغیرہ کے ہین، جن کا تعلق قومون سے نہیں بلکہ دنیا سے ہے، انہی میں وہ نام بھی ہین، جن کو ہمارے ہندوستان نے پیدا کیا ہے، جیسے بھیم، ارجن، کرشن، رام، سیتا، گوتم بدھ، بھگت وغیرہ یا حوالہ طلب قصے ہین، جیسے مہا بھارت، راماین، بھرت ملاپ، گوپیان، یا تہوار ہین، جیسے ہولی، بسنت وغیرہ یہ سب ہماری زبان کی مثلون اور مثالون مین

وقت پر آتے ہین، اور زبان مین بڑا مزہ دیتے ہین، جو قوم رستم اور سہراب اور سکندر اور دارا کے نامون اور کامون سے خوش ہو، وہ بکرماجیت اور رام چندر کے نامون اور کامون سے کیون خوش نہ ہو گی، جو مذہبی حیثیت ان کی ہے، وہی ان کی ہے، پھر ایک سے محبت اور دوسرے سے نفرت کی کوئی وجہ نہین،

ہندوستان کی وہ میٹھی اور پیاری بولی جس کا نام اصل مین ہندی ہے وہ ہمارے بزرگون مین پہلے بھی مقبول تھی، اور اب بھی ہے، بڑے بڑے صوفی بزرگون کی محفلون مین حضرت سید حسین گیسو دراز اور سعد اللہ فراز لکھنوی کے زمانہ سے وہ گائی جاتی تھی، اور اب بھی ہماری خانقاہون مین گائی جاتی ہے، اوس مین کبت اور گیت کہے جاتے اور سُنے جاتے تھے، اور ایسے مسلمان جو پریم اور محبت کی اس پیاری بولی مین شاعری کرتے تھے، سیکڑون سے زیادہ ہین،

لیکن جو ہندی آج پھیلائی جا رہی ہے، فورٹ ولیم کالج سے پہلے وہ موجود نہ تھی، اوس کا پتلا انگریزون کی سیاسی جادوگری سے بنا ہے، اور اسی سے اوس مین جان پڑی ہے، اور اسی جادو کا کھیل ہے جو آج ہندی اردو جھگڑے کی شکل مین دونون قومون کو اب تک لڑا رہا ہے، یہ حقیقت ہے، اور اس حقیقت کو کوئی جھٹلا نہین سکتا،

اگر کسی زبان کا کسی اسلامی زبان سے لگاؤ رکھنا کوئی پاپ ہے، جو معاف نہین ہو سکتا، تو مین کہتا ہون کہ آج صوبون کی اکثر بولیان جو زبان کے درجہ کو پہنچی ہین، اون مین سے اکثر اسلامی دربارون کی سرپرستی مین پلی اور پھولی ہین، جیسے بنگالی، گجراتی، مرہٹی وغیرہ، کیونکہ سنسکرت کے سوا ایسی چھوٹی چھوٹی زبانین مسلمانون سے پہلے پڑھنے لکھنے مین کام نہین آتی تھیں، تو پھر کیا یہ زبانین اس لئے آج بھارت ورش سے نکال دی جائینگی کہ انھیں اسلامی دربارون سے لگاؤ رکھنے والون نے پھیلائی ہین، اور انہی دربارون کے سایہ مین وہ پلی پھولی ہین، ان ساری زبانون مین بڑی بہتات سے عربی فارسی کے ضروری لفظ بھی ملے ہین، لیکن اس پر بھی وہ ناپاک نہین ہوئین،

یہ کہنا بھی سچ نہین کہ ہندی دیہاتون کی زبان ہے اور اردو شہر کی، دیہات اور شہر دونون کی بولی ایک ہی ہے، فرق ان مین وہی ہے جو دیہات اور شہر کی زندگی مین ہے، جو ہندی اخبارون اور رسالون مین لکھی جاتی ہے وہ دیہات تو دیہات شہرون مین بھی نہ بولی جاتی ہے، اور نہ سمجھی جاتی ہے، اور اس کا تجربہ ہر روز اور ہر وقت کیا جا سکتا ہے، اور اُسی وقت اِس دعوی کی سچائی کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

مین پھر ہندو مسلمان دونون سے اپیل کرتا ہون کہ وہ تنگ دلی اور جھوٹی قومیت کی غلط پاسداری کرکے اپنے ملک کو تباہ نہ کرین، اور اس کشتی مین وہ سوراخ نہ کرین جس سے وہ پھر کبھی نہ بن سکے گی، اور جس کا نتیجہ سب کے لئے ایک ہے، مین اپنے اس بیان کو سر تیج بہادر کے اُس مخلصانہ اور بہادرانہ بیان پر ختم کرتا ہون جو انھون نے ۲۶ اگست ۳۹ء کو کشمیر مین ایک مشاعرہ کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"اردو زبان ہندو مسلمان دونون کو اپنے آبا و اجداد سے ایک مشترکہ و مقدس ترکہ کی حیثیت سے ملی ہے جو قطعاً ناقابلِ تقسیم ہے"۔

آخر مین مجھے اس صوبہ کے اہلِ فکر کی خدمت مین کچھ عرض کرنا ہے، اس مین شبہ نہین کہ بنگال مین بنگالی کی اہمیت صوبہ کی مقامی بولی کی حیثیت سے زیادہ ہے، پھر بھی یہ بھولنا نہ چاہئے، کہ اردو کی پرورش مین اور ملک کو ایک مشترکہ زبان کے بخشنے مین بنگال کا حصہ کم نہین ہے، مرشد آباد اور ڈھاکہ اردو ادب کی آخری سرحدین تھین، اور جہان اردو کے بڑے بڑے شاعرون نے جنم لیا ہے، اور شہرت کے بال و پر پیدا کئے ہین، انہی شعرائے لکھنو کے مقابلہ مین میدان مارے ہین، اور ان کے دیوانون پر فسخ کا قلم پھیرا ہے، محمد صادق اختر، عبد الغفور نساخ اور نواب سید محمد آزاد کے نام اردو ادب مین یادگار ہین، اور آج بھی وحشت کی شاعری سے لکھنو اور دہلی کی ادبی محفلین مانوس ہین، موجودہ اردو ادب کا مافوق انشا پرداز جس کے قلم مین سحر حلال ہے اسی خاک سے اٹھا ہے اور یہین سکونت پذیر ہے، فورٹ ولیم کالج جس نے اردو کے الجھے ہوئے بالون مین بھی کنگھی کی، اسی سرزمین کے ایک گوشہ مین تھا، میر امن کا باغ یہین پر بہار ہوا، اور حاتم طائی کی محفل نے یہین آرایش پائی، اور اخوان الصفا نے انسانون کو حیوانون کا فلسفہ یہین پڑھایا، پھر کتنی عجیب بات ہے، کہ جب انگریزون کی تعلیمی راے بدلی تو اس سرزمین کو

اپنے اُس بچہ سے جس کو اس نے گود ون مین پالا تھا، ایسی بیگانگی ہوگئی کہ اب بنگال اور اردو دو متضاد چیزین ہین بنگال کو اس زبان سے اوتنی بیگانگی کسی طرح نہیں جتنی مدراس کو ہندی یا ہندوستانی سے ہے، مگر یہ کس کو معلوم نہین کہ مدراس کی سابق گورنمنٹ نے جب وہان ہندی یا ہندوستانی کی اشاعت کی ضرورت سمجھی تو دراوڑی قوموں کی ہر قسم کی مخالفت کے باوجود اس کی تعلیم کو ضروری قرار دیدیا، اور احاطہ مدراس مین اسکی اشاعت پر ہزارون روپیے خرچ کئے، اگر اسی نظیر کو بنگال مین سامنے رکھا جاتا، تو ملک کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوتی، اور ہندوستانی صوبون کی برادری مین بنگال کی اس کوشش کی بڑی تعریف کیجاتی،

کہا جاتا ہے کہ بنگال مین مسلمانون کا سب سے بڑا حصہ آباد ہے، اگر یہ صحیح ہے تو بنگال کے کندھون پر بھی اسلامی فرضون کا سب سے بڑا بوجھ ہے، ہندوستان کی ساری اسلامی برادری نے اردو کو اپنی مشترک زبان مانا ہے اور اس کے پھیلانے اور بڑھانے مین صدیان گنوائی ہین، بڑا افسوس ہوگا اگر ہندوستان کا سب سے بڑا اسلامی صوبہ اس زبان سے اپنی بے اتفاقی کا ثبوت دے،

آج سارے ہندوستان مین جو اسلامی تحریکیں پھیلی ہیں، اور اسلامی ہندوستان نے جو بڑے بڑے نامور مصنف اور اہل قلم پیدا کئے ہین، بنگال کا بڑا حصہ اس لئے اون سے ناآشنا ہے کہ وہ اوس زبان سے جس مین وہ خیالات امانت ہیں، بیگانہ ہے، اور اس طرح ہندوستان کا سب سے بڑا اسلامی صوبہ، اسلامی تحریکات اور خیالات سے سراسر غیر متاثر ہے، اور اوس سے جو نقصان اسلام کو اس ملک میں پہنچ رہا ہے وہ بیان کا محتاج نہین،

ہم کو معلوم ہے کہ بنگال کے اندرونی حصون تک میں ہزارون مسلمان اس زبان کو بولتے اور سمجھتے ہین لیکن اردو قواعد کی بعض شکلون اور تذکیر و تانیث کے جھگڑون کے سبب سے ان کو الجھن ہوتی ہے، لیکن اگر اہل بنگال جرأت کرتے تو اپنی ضرورت کے مطابق وہ لاہور اور پٹنہ کی طرح اپنی اردو آپ بنا لیتے اور دلی اور لکھنؤ والون کو اس کے ماننے پر مجبور کر دیتے،

وقت اب بھی نہیں گیا ہے، اور آج سے زیادہ اوس کے لئے کوئی دوسرا مناسب وقت مشکل سے مل سکتا ہے،

ع اے زفرصت بے خبر در ہرچہ باشی زود باش

بنگال کی سرکار کو چاہئے کہ ہندوستانی اردو کو اس صوبہ کے اسکولون کی تعلیم مین مناسب حصہ دے، اُم شہرون مین اس زبان کی لائبریریان قائم کرے، اور سرکاری حیثیت سے ہٹ کر خود بنگال والون کی ایک طاقتور جمعیت نجی طور پر یہ کام اپنے ہاتھ مین لے، اس کے ممبر شہرون سے گاؤن تک پھیل جائین، اردو پرچارک سبھائین بنائین، اور لوگون کو یہ زبان سکھائین اگر اردو رسم خط کی مشکل ہو تو شروع میں اس رسم خط کو بھی چھوڑ دین، ہم بنگالی یا لاطینی خط مین اس زبان کے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھیں اور پھیلائین، بنگالی ہندوستانی اردو ڈکشنری لکھین، ادبی اخلاقی اور مذہبی قصے لکھ لکھ کر لوگون کے ہاتھون مین دین، آپ دیکھیں گے کہ چند سال کے اندر بنگال ہندوستان کا جزء ہو جائے گا، اور بنگال کی یہ قربانی ایک طاقتور ہندوستان کے بنانے مین بڑی مدد دے گی،

آج پنجابی بولنے والے پنجاب کا اردو ہندوستانی پریس سارے ہندوستان پر راج کر رہا ہے، پھر کیون بنگالی بولنے والے بنگال میں ایسا ہندوستانی پریس نہ ہو، جو ان مقبوضات کو اسی طرح اپنے قبضہ میں نہ لے آئے، ہمت شرط ہے، اور ایثار و قربانی کی تھوڑی ضرورت، آج زبان کے مسئلہ کی کنجی مدراس کے ہاتھ مین نہین، بنگال کے ہاتھ مین ہے، کیا اہل بنگال اس مشکل کے قفل کو کھولنے کو تیار ہین،

سلسلۂ شاہ ولی اللہ کی خدمت حدیث

از

جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

"یہ مقالہ جس کا موضوع امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے تلامذہ کی خدمت حدیث ہے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے ادرنیٹل کانفرنس بنارس کے شعبۂ اسلامیات میں پڑھکر سنایا تھا"

خدمتِ حدیث میں ممالکِ اسلامیہ کا حصہ

عالم اسلامی یکے بعد دیگرے باری باری خدمتِ حدیث کے فریضہ کو ادا کرتا رہا ہے اگر ایک وقت مین کسی ایک ملک نے کوتاہی کی تو دوسرے ملک نے قدم آگے بڑھایا، خدمتِ حدیث کا حق ادا کرنے میں مشغول ہوگیا، اولاً سب سے زیادہ حصہ ممالکِ عراقیہ نے خلافتِ عباسیہ کے ایام عروج مین لیا، ان ممالک نے جملہ علوم شرعیہ وعقلیہ وادبیہ مین ترقی کی اور علوم حدیث وفقہ کی سب سے زیادہ خدمت کی، علماء عراق کے آثار باقیہ جواب تک چمک رہے مین، اس پر شاہد عدل ہین، خلافتِ عباسیہ کے زوال کے بعد خدمتِ علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث کی خدمت کا سہرا مصر کے سر رہا، مصر میں اسلامی سلطنت کے دونون دور اس خدمت میں کامیاب رہے، سلاطین وخلفاء مصر نے جو عالیشان مدارس قائم کئے اور انھون نے جس فراخ دلی سے اس پر روپیہ خرچ کیا وہ تاریخ مین ہمارے سامنے ہے، یہی نہیں بلکہ سلاطین وامرائے مصر نے علماء کے دوش بدوش خود بھی تحصیل علوم مین حصہ لیا، ملک ظاہر برقوق نے امام اکمل الدین بابرتی سے فقہ حاصل کی، اور صحیحین کی روایت کے لئے زمرۂ محدثین میں شامل ہوئے ابن ابی المجد جیسے بڑے بڑے عالی الاسناد محدثین کو دور دراز سے مصر بلایا، تاکہ محدثین مصر کو اپنی سند عالی کرنے کا موقع ملے، سلطان المؤید صحیح بخاری کو سراج بلقینی سے

خود بلا واسطہ روایت کرتا ہے، حافظ ابن حجر نے الملک المؤید سے حدیث سُنی، اور اوس کو المعجم المفہرس مین اپنے شیوخ مین شمار کیا ہے، المؤید نے علامہ شمس الدین دیری کو جو المسائل الشریفہ فی ادلة الامام ابی حنیفہ کے مصنف ہین مصر بلایا، اور اہل مصر کو اُن سے استفادہ کا موقع دیا، ملک ظاہر جقمق نے ابن الجزری سے صحیح بخاری سنی اور بڑے بڑے صاحب اسناد محدثین کو مصر مین جمع کیا تاکہ اہلِ مصر ان کی روایات کو سنین، اون سے صحاح ومسانید کو حاصل کرین، مصر کا قلعہ ان علماء ومحدثین کی قیامگاہ تھا، اسی مین طلبہ ان حضرات سے حدیث پڑھتے تھے، شاہی قلعہ کو دار الحدیث بنا دینے سے شان علم کی جس قدر عظمت و وقعت عام لوگون کے قلوب مین پیدا ہوئی ہوگی، اس کو خود ہی سمجھ لیا جائے، سلاطین وامرائے مصر کی اس توجہ اور رغبت علمی کی وجہ سے ساتوین آٹھوین نوین صدی مین مصر ہمابر حدیث وفقہ وادب کا مرکز بنا رہا، تاریخ علماء ومحدثین مصر کے کارنامون کو ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے، مصر میں بکثرت علماء پیدا ہوئے، انھون نے تمام علوم بالخصوص علم حدیث مین بڑا درجہ حاصل کیا، اور اس کثرت سے کتابین لکھین کہ نہ صرف مصر بلکہ تمام عالم اسلامی کو اُن پر ناز ہے، مصر مین یہ علمی ترقی دسوین صدی کے اوائل تک رہی، پھر سلطنت برجیہ کے زوال کے ساتھ یہ علمی نشاط روبتنزل ہونے لگا، بلکہ یون کہنا چاہئے کہ علمی تحقیقات کی بلند عمارت مین زلزلہ آگیا، دسوین صدی اور اوس کے بعد کے علماء کا موازنہ گذشتہ مین صدیون سے کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، کہ اس وقت مصر مین علمی نشاط کس قدر پھیکا پڑگیا تھا،

خدمتِ حدیث مین سرزمین ہند کا اقدام

سنة اللہ کے موافق اب دوسرے ممالک نے قدم آگے بڑھایا، اور سرزمین ہند نے خدمتِ علم اور تحقیق حدیث مین نشاط کا ثبوت دینا شروع کیا، اس سے پہلے ہندوستان نے خدمتِ فقہ میں کافی حصہ لیا ہے، فتاوی تاتارخانیہ اور لباب المناسک وغیرہ اس کی شاہد ہین، خدمتِ علوم حدیث مین بھی ہندوستان برابر حصہ لیتا رہا، امام صغانی لاہوری[1] (ف ۶۵۰ھ)، کی مشارق الانوار ہمارے سامنے ہے، مگر

---

[1] هو حسن بن محمد الصغانی لاهوری فقیه محدث اخذ من صاحب الهدایة بواسطة ولد لا عمر المرغینانی ترجع اسانید الکابر ائمة الطریق مثل الشیخ فرید الدین الاجودنی والسلطان نظام الدین الدهلوی واکابر فقهاء الهند الیه توفی سنه ۶۵۰ھ ۱۲ ظ

دورِ نشاۃ قرنِ عاشر سے شروع ہوتا ہے، جس میں علامہ محمد طاہر پٹنی (ف ۹۸۶ھ) کی مجمع البحار اور المغنی اور شیخ علی متقی (ف ۹۷۵ھ) کی کنز العمال آسمانِ علمِ حدیث پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکی ہیں،

مجدد الف ثانی (ف ۱۰۳۴ھ) رحمۃ اللہ علیہ

گیارہوین صدی میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اشاعت حدیث و سنت اور تحقیق و حفظ علوم حدیث کا جذبہ اسلامیانِ ہند مین پیدا فرمایا، جس پر آپ کے مکاتیب شاہد عدل ہین، اسی کا یہ نتیجہ تھا جو ہم نے اپنے مشائخ سے سنا ہے کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو بارہ ہزار احادیث حفظ تھین، سلاطین ہند مین علم حدیث کا یہ شوق و شغف اس سے پہلے نہین دیکھا گیا، فتاویٰ عالمگیریہ سلطان عالمگیر کے شغف علمی کی زندہ یادگار اب بھی ہمارے سامنے ہے، جس کی نظیر ممالک اسلامیہ نے بھی گیارہوین صدی سے اب تک پیش نہیں کی، ہم اس کو حضرت مجدد صاحبؒ کے برکات مین شمار کرتے ہین، مکاتیب مجددیہ کی عظمتِ شان کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ علامہ محمود آلوسی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی مین اون سے استفاضہ کرتے اور جابجا تفسیر آیات اور شرح احادیث مین اون سے مدد لیتے ہین، تفسیر روح المعانی کا درجہ اہلِ علم کی نظر سے مخفی نہیں ہے، ہمارے سامنے علمائے عراق کا یہ آخری شاندار کارنامہ ہے جس پر وہ جس قدر بھی ناز کرین بجا ہے،

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (ف ۱۰۵۲ھ)

دسوین صدی ہجری کے آخر مین محدثِ ہند شاہ عبد الحقؒ حجاز سے علم حدیث حاصل کرکے دہلی تشریف لائے اور نشر و اشاعتِ حدیث پر توجہ فرمائی، مشکوٰۃ کا مقدمہ عربی مین لکھا، جو باوجود اختصار کے اصولِ حدیث میں بے نظیر ہے، مشکوٰۃ کی شرح عربی مین بنام لمعات اور اشعۃ اللمعات فارسی میں لکھی جو آج تک محدثین کی آنکھین روشن کر رہی ہے، سفر السعادۃ کی شرح لکھی،

ماثبت بالسنۃ فی احکام الشہور والسنۃ تحریر فرمائی، جو اپنے باب مین سب سے پہلی اور آخری کتاب ہے، آپ کے صاحبزادے مولانا نور الحقؒ (ف ۱۰۷۳ھ) نے شرح بخاری اور شرح مسلم لکھی ہے، جو بہت مشہور ہین، زبدۃ التواریخ بھی آپ ہی کی تصنیف ہے جس میں عہدِ اکبری کے حالات بڑے منصفانہ انداز سے بیان کئے ہین (آب کوثر)

مولانا سلام اللہ حنفی نے جو شیخ ہی کی اولاد میں ہیں، موطا امام مالک اور شمائل ترمذی کی شرح لکھی، (مقدمۃ التعلیق الممجد)

امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۱۷۶ھ)

بارہوین صدی کے شروع میں ذوالعلوم والحکمۃ یعنی شہر دہلی میں حجۃ اللہ فی الارض امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پیدا ہوئے، جن کی شان تحدیث و تجدید دین کا غلغلہ ہندوستان اور بیرونِ ہند عرب و عجم مین بلند ہوا جیسا کہ آپکے شاگردون کے سلاسل اور آپ کی تصانیف حدیث سے ثابت ہے، آپ نے ترویجِ حدیث کے لئے وہ راہین اختیار کین، جن پر آپ سے پہلے ہندوستانی علماء کی توجہ نہ ہو سکی تھی،

علم حدیث کی سب سے قدیم کتاب موطا امام مالک کی آپ نے دو شرحین عربی و فارسی مین المسوی و المصفی کے نام سے لکھین، یہ شرحین اگرچہ زیادہ مفصل نہیں، مگر نہایت وزن دار اور پُر مغز ہین، جو یقیناً موطا امام مالک کو سمجھنے کے لئے ایک سلیم العقل صحیح الاستعداد کے لئے کافی ہین، شاہ ولی اللہ کی اولیات میں سے یہ ہے کہ آپنے درسِ قرآن کریم کے بعد درسِ موطا کو بقیہ کتب احادیث پر مقدم فرمایا، کیونکہ وہ اول تو ان سب سے پہلی ہے، و الفضل للمتقدم، دوسرے یہ کتاب مکہ و مدینہ و عراق و شام و یمن و مصر و افریقہ و اندلس وغیرہ جملہ بلادِ اسلام مین مقبول و مشہور اور متفق علیہ ہے، ہر زمانہ مین علما نے بکثرت اس پر کام کیا ہے، کسی نے موطا پر تخریج لکھی، کسی نے اوس کی احادیث کے متابعات و شواہد جمع کئے، کسی نے اس کے لغات کو حل کیا، مشکلات کو ضبط کیا، کسی نے اوس کے رجال کی تاریخ لکھی، کسی نے اوس کی بلاغات و موقوفات و مراسیل و مقاطیع کو متصل کیا، غرض موطا پر اس قدر کام ہو چکا ہے، کہ اوس سے زیادہ متصور نہین، صحیح بخاری و صحیح مسلم اگرچہ اوس سے زیادہ ضخیم اور مبسوط ہین، لیکن روایات حدیث کا طریقہ رجال کی تمیز و تنقید کا راستہ، استدلال و استنباط کا طرز سب نے موطا ہی سے سیکھا ہے، تیسرے موطا میں وہ احادیث مشکلہ نہین ہین، جن کے سمجھنے مین کسی مبتدی یا نو مسلم کو دشواری پیش آئے، پس قرآن کے حصۂ احکام کو سمجھنے کے لئے موطا امام مالک کافی ہے،

موطا امام مالک کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس پر فقہا و مجتہدین نے بھی کام کیا ہے، امام شافعیؒ نے موطا کو امام مالکؒ سے حاصل کیا اپنی کتابون مین اس کی احادیث کی تحقیق کی، امام محمد نے بھی تین سال مدینہ منورہ رہکر موطا کو امام مالک سے سنا پھر موطائے محمد اور کتاب الحجج مین اُس پر تحقیق و تنقید کی، یہ بات موطا امام مالک کے سوا کسی کتاب کو نصیب نہین ہوئی،

پس شاہ ولی اللہ کی راے یہ ہے کہ موطا امام مالک کتب حدیث کا متن ہے، بقیہ جملہ کتب اوسی کی شروح ہین، اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی صاحبِ انصاف انکار نہین کر سکتا،

شاہ ولی اللہؒ نے اپنی دوسری کتاب الانصاف فی بیان سبب الاختلاف مین ان اسباب کو اچھی طرح واضح کیا ہے جس کی وجہ سے فقہا کے درمیان بعض مسائل اجتہادیہ مین اختلاف نظر آرہا ہے، اس کتاب کو سمجھ لینے کے بعد کسی کو یہ کہنے کی جرأت باقی نہین رہتی، کہ فلان مسئلہ مین فلان امام نے حدیث صحیح کی مخالفت کی ہے، اس کتاب سے تمام فقہا کی عظمت قلوب مین پیدا ہوتی ہے اور باہمی نزاع کا شایبہ بھی باقی نہین رہتا،

حجۃ اللہ البالغہ وہ کتاب ہے، جس کی وجہ سے شاہ ولی اللہ کا درجۂ امامت و تجدید عرب و عجم نے تسلیم کیا، یہ کتاب اپنے طرز مین بالکل جدید اور بے نظیر ہے، اس سے پہلے ایسی کتاب کسی مصنف نے نہین لکھی، اس کتاب کو صحاح ستہ کی شرح، فقہ اسلامی کا خلاصۂ مقاصد و اسرارِ شریعت کا لب لباب حکمت و سیاست اسلامیہ کی تصویر کہنا چاہئے، اس کتاب سے ہندوستانی مسلمانون کی علمی تحقیقات کا سکہ تمام عالم اسلامی پر بیٹھ گیا، اور بارہوین صدی مین خدمتِ حدیث کا سہرا اون کے سر رہا،

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مین جس وسعت نظر اور تحقیق و تفتیش سے احادیثِ متعلقۂ خلافت کو جمع کیا گیا، اور جس خوبی سے مسئلۂ خلافت پر بحث کی گئی ہے، اس کی نظیر نہین مل سکتی، علم حدیث مین آپ کی ایک چہل حدیث اور مسلسلات اور نوادر الحدیث الدر الثمین، شرح تراجم بخاری بے نظیر کتابین ہین،

حدیث نبوی کی تحریری خدمت کے ساتھ شاہ ولی اللہ نے تعلیمی اور درسی خدمت بھی جس خوبی سے انجام

دی ہے، اوس نے اسلامیانِ ہند مین درسِ حدیث کا نیا دروازہ کھول دیا، طالبانِ حدیث جوق جوق شاہ صاحب کے درس مین شریک ہوئے، اور سندِ حدیث لے کر اطرافِ عالم مین حدیث نبوی کی اشاعت کرنے لگے، اور اوس کا سلسلہ بحمد اللہ اب تک جاری ہے،

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی سنہ ۱۲۰۵ھ

شاہ ولی اللہ کے تلامذہ مین بڑی شخصیت کے عالم ہین تاج العروس شرح القاموس آپ کے تبحر علمی و ادبی کا ایسا کارنامہ ہے، جس کی نظیر علماے عراق و مصر نے بھی ابتک پیش نہیں کی، علم حدیث مین آپ کی وسعتِ نظر اور تبحر پر الجواہر المنیفہ فی ادلۃ الامام ابی حنیفہ روشن دلیل ہے،

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی سنہ ۱۲۲۵ھ

شاہ ولی اللہ کے تلامذہ مین قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کو اوس زمانہ کے علما نے بیہقی وقت کا خطاب دیا ہے، حفظ احادیث اور وسعت نظر مین آپ کا پایہ بہت بلند ہے، جس پر آپ کی تفسیر مظہری شاہد عدل ہے، اس تفسیر مین اس کثرت کے ساتھ احادیث کو جمع کیا گیا ہے کہ دیکھنے والے کو مصنف کی وسعت نظر پر حیرت ہوتی ہے، جملہ احادیث پر محدثانہ اصول سے کلام بھی بڑی خوبی سے کیا گیا ہے، جو ان کی شانِ تنقید کو واضح کرتا ہے، افسوس ہے کہ یہ کتاب ابھی تک پوری طبع نہیں ہوئی، چند اجزا طبع ہوئے ہیں، اگر پوری طبع ہو جاتی، تو جس طرح تفسیر روح المعانی نے اس زمانہ مین اہلِ عراق کا سرِ افتخار بلند کر دیا ہے، تفسیر مظہری سے اسلامیانِ ہند کی خدمتِ حدیث و تفسیر کا جھنڈا بہت ہی بلند ہو جاتا، خدا کرے مسلمانانِ ہند اس طرف توجہ کرین،

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سنہ ۱۲۳۹ھ

آپ اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ کے سچے جانشین فخر المحدثین زین المفسرین تھے، چراغِ ہند آپ کا لقب تھا، ہندوستان مین علم حدیث کی ریاست آپ پر ختم تھی طالبین اطراف و اکناف سے حدیث پڑھنے آپکے پاس آتے تھے، اور فیضیاب ہو کر جاتے تھے، جملہ علوم عربیہ ادبیہ، شرعیہ و عقلیہ مین متبحر تھے، بستان المحدثین علم حدیث مین آپ کی وسعتِ نظر پر شاہد عدل ہے، ملفوظاتِ عزیزیہ سے آپ کی شانِ تحقیق حدیث واضح ہے، اُصولِ حدیث مین عجالۂ نافعہ بھی بہت مفید ہے، تفسیر فتح العزیز بے نظیر تفسیر ہوتی،

اگر تمام طبع ہو جاتی، مگر افسوس کہ ناتمام رہ گئی، اس کو دیکھکر تحقیقات کا ایک سمندر جوش مارتا ہوا نظر آتا ہے، آپ کے تلامذہ بے شمار ہیں، اور حدیث میں تمام اسانید ہند کا مرجع آپ ہی کی ذات ہے،

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی سنہ ۱۲۶۲ھ

آپ شاہ عبد العزیز صاحب کے نواسے اور علمِ حدیث میں اون کے سچے جانشین ہیں، شاہ عبد العزیز کے بعد آپ ہی علمِ حدیث میں مرجعِ خلائق اور محدثِ اکبر تھے، مشکوٰۃ کا ترجمہ فارسی میں کیا، پھر نواب قطب الدین خان صاحب نے جو آپ کے اجل تلامذہ سے ہیں، مظاہر حق کے نام سے اردو میں مشکوٰۃ کا ترجمہ کیا، جو اہلِ علم کی نظر میں بہت بلند پایہ کھتا ہے، معانی حدیث کی تحقیقات، متعارضات میں تطبیق بہت خوبی سے کی گئی ہے، شاہ محمد اسحاق صاحب کے تلامذہ نے حواشی صحاح ستہ میں جابجا شاہ صاحب کی تقریرین شرح حدیث کے متعلق نقل کی ہیں، اون سے شاہ صاحب کی شانِ تحقیق اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے، اسی طبقہ میں شاہ ابو سعید مجددی دہلوی، مولانا شاہ اسماعیل صاحب شہید دہلوی، حضرت مجدد ملت سید احمد صاحب بریلوی، شاہ عبد القادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب کی خدمات بھی سلسلۂ ولی اللٰہی کی خدمتِ حدیث کے درخشان ستارے ہیں، ان سب حضرات نے اپنے درس و عمل سے ترویج حدیث و اشاعتِ سنت میں اتنا شغف ظاہر کیا، جس سے شاہ ولی اللہ کا سلسلۂ حدیث اطرافِ عالم میں پھیل گیا، شاہ عبد الحق محدث دہلوی کو ایسے آدمی مل جاتے، تو ان کا سلسلہ بھی اچھی طرح پھیل جاتا، مگر یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، حضرت سید صاحب بریلوی گو اہلِ علم کی طرح درس دینے والون میں نہین تھے، مگر ان کا عمل اور اتباعِ سنت سراسر درسِ حدیث تھا، ان کے عمل سے لوگون میں درسِ حدیث کی روح زندہ ہوتی تھی، جس پر تاریخ شاہد ہے،

شاہ اسحاق صاحب کے تلامذہ میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہین، ایک وہ جو اپنے کو اہلِ حدیث کہتے، اور تقلید ائمہ کا انکار کرتے ہین، اور خود کو حنفی نہین کہتے، ان کا خیال یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی نہین تھے، مگر یہ ایسی بات ہے جس کو شاہ ولی اللہ کی فیوض الحرمین پر نظر رکھنے والا کبھی تسلیم نہیں کر سکتا، اس سے کسی کو انکار نہیں کہ شاہ ولی اللہ ہندوستان میں علامہ ابن الہمام کی نظیر تھے، یعنی مقلد محقق تھے، وہ بعض مسائل مین

عام حنفیہ سے اختلاف بھی کرتے ہین، مگر اس کا نام ترکِ تقلید نہین بلکہ تحقیق فی التقلید ہے کہ وہ تحقیق کے ساتھ تقلید کرتے ہین، نواب صدیق حسن خان صاحب امیر جماعت اہلِ حدیث اپنی کتاب الحطہ میں فرماتے ہیں،

ان الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی قد بنی طریقتہ علی عرض المجتہدات علی السنۃ والکتاب وتطبیق الفقہیات بھما فی کل باب، الی قولہ وھذا کلہ مذھب حنفی الخ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ مسائل اجتہادیہ کو قرآن وحدیث پر پیش کرتے ہین، اور مسائل فقہیہ کو ہر باب مین قرآن وحدیث سے مطابقت دیتے ہین،.........اور اُن کا یہ تمام تر طریقہ مذہب حنفی ہی ہے،

مولانا محمد محسن بہاری تیمی نے الیانع الجنی ص ۷۰ مین شاہ عبد الغنی، شاہ محمد اسحاق، شاہ عبد العزیز، شاہ ولی اللہ چارون کو حنفی المذہب بتایا ہے، شاہ ولی اللہ کے والد ماجد شاہ عبد الرحیم ان علماء مین ہین جو فتاوی عالمگیری کی تدوین پر مامور تھے، شاہ ولی اللہ کے اجل تلامذہ مین سے آپ کے جانشین شاہ عبد العزیز اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی سید مرتضی بلگرامی زبیدی جو تبحرِ حدیث وغیرہ میں اعلی پایہ رکھتے ہین، سب حنفی تھے، شاہ عبد العزیز، شاہ محمد اسحاق اور ان کے جانشین شاہ عبد الغنی مجددی سب حنفی ہین، پس جس کے اصول و فروع سب حنفی ہون، اس کے متعلق یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود حنفی نہ تھا، درمیان کلام مین اس خاص نکتہ پر اشارہ کرکے مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ شاہ محمد اسحاق صاحب کے تلامذہ مین اُن لوگون نے بھی جو اپنے کو حنفی نہین کہتے، ہندوستان مین علم حدیث کی خدمت بہت کچھ کی ہے، مولانا نذیر حسین صاحب مرحوم کا درسِ حدیث مشہور و معروف ہے، صدہا علماء آپ سے فیضیاب ہوئے، جن کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، نواب صدیق حسن خان نے مشکوٰۃ پر فصلِ رابع کا اضافہ فرمایا، بلوغ المرام کی متعدد شرحین لکھیں، الروضۃ الندیہ کی شرح لکھی، عون الباری کے نام سے ادلہ بخاری کی بھی شرح لکھی، کتاب الحطہ علی الصحاح الستہ اور ابجد العلوم ذکی بے نظیر تالیفات ہین، اونھون نے کتب نادرہ علم حدیث کی اشاعت بھی خوب

کی ہے، علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے سنن ابی داؤد کی شرح عون المعبود تصنیف کی، ان کے بڑے بھائی علامہ ابو الطیب نے غایۃ المقصود بہت ضخیم کئی جلدون میں تصنیف کی، جو افسوس ہے پوری طبع نہین ہوئی، علام العصر بھی بہت تحقیق کر لکھی گئی ہے، قریب زمانہ مین مولانا عبد الرحمن مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی بڑی قابلیت سے لکھی ہے، یہ بھی سب کی سب سلسلۂ ولی اللہی کی خدمت حدیث میں داخل ہے، ۵

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے اس کی زلفون کے سب اسیر ہوئے

ان حضرات کی خدمت حدیث پر اجمالی اشارہ کرکے، مین سلسلۂ ولی اللہی کی دوسری شاخ کی خدمات حدیث بیان کرنا چاہتا ہون جو اپنے کو حنفی کہتے ہین، میری نظر میں بعض وہ لوگ بھی ہین جن کو علم حدیث کی روشنی سلسلۂ ولی اللہی سے پہونچی، مگر وہ اپنے کو اس سلسلہ سے الگ ہی رکھنا پسند کرتے ہین، اس لئے مین نے بھی ان کا تذکرہ پسند نہین کیا، ومنہم صاحب صحیح البھاری وتسمیتہ بالصحیح مصداق المثل السائر، برعکس نہند نام زنگی کافور فقد جمع فیہ کثیرا من الضعاف بل ومن الموضوعات،

شاہ عبد الغنی محدث مجددی دہلوی م ۱۲۹۶ھ

ابو حنیفہ عصر بخاری دہر حجۃ المحدثین شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے بعد ان کے جانشین ہوئے، اپنے والد شاہ ابو سعید سے حدیث و تفسیر پڑھکر شاہ اسحاق صاحب سے حدیث حاصل کی، پھر مہاجر مدنی ہوکر شیخ عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھی، اور سند حدیث حاصل کی، سنن ابن ماجہ کی شرح بنام انجاح الحاجۃ آپ کی بہترین تالیف ہے، جو ابن ماجہ کے حاشیہ پر طبع ہو چکی ہے،

مولانا شیخ احمد علی محدث سہارنپوری م ۱۲۹۷ھ

آپ شاہ محمد اسحاق صاحب کے اجل تلامذہ سے ہین، مکہ مکرمہ مین شاہ صاحب سے کتب حدیث پڑھیں، پھر ہندوستان واپس آکر درس حدیث کے لئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی بنیاد ڈالی جو اب تک قائم اور روز افزون ترقی پر ہے، صدہا علما اوس سے فیضیاب ہوکر اطراف عالم مین اشاعت حدیث و قرآن کی خدمت بجا لارہے ہین، جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب پہونچ چکی ہے، پھر ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کو شمار کیا جائے تو ہزارون تک نوبت پہونچے گی، مولانا احمد علی نے درس حدیث ہی پر کفایت نہین کی

بلکہ مطبع احمدی قائم کرکے کتب حدیث کو باحسن وجہ طبع کرکے خدمت حدیث کا حق ادا فرمایا، حق بات کو چھپایا نہیں جا سکتا، مولانا احمد علی نے صحیح بخاری کو جس خوبی اور خوبصورتی اور صحت کاملہ کے ساتھ طبع فرمایا، انصاف یہ ہو کہ آج تک ممالک اسلامیہ مین سے بھی کسی ملک نے اوس کا جواب نہیں دیا، اور یہ بھی ہندوستان کو فخر ہے، کہ صحیح بخاری اور چند کتب حدیث مصر سے پہلے یہان طبع ہوئی ہین، اور غالبًا یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا، کہ جس طرح فتح الباری بخاری شریف کی مفصل شرح مین بے نظیر ہے، جس پر مصر کو جس قدر بھی ناز ہو بجا ہے، اسی طرح مولانا احمد علی کا حاشیہ بخاری شریف مختصر شروح مین بے نظیر ہے، جس نے اسلامیان ہند کے سر افتخار کو بہت بلند کر دیا ہے، آج تک اختصار کے ساتھ ایسا جامع وزن دار پر مغز حاشیہ کسی نے بھی بخاری شریف پر نہیں لکھا، جس کے بعد حل بخاری کے لئے مطولات کی حاجت باقی نہین رہتی،

مسئلۂ قرأت خلف الامام مین آپ کا رسالہ الدلیل القوی بھی مصنف کی وسعت نظر، اور تحقیق علوم حدیث کا آئینہ ہے،

قاری عبد الرحمن صاحب محدث پانی پتی

آپ نے فن تجوید کی ہندوستان مین بڑی خدمت انجام دی ہے، اسی کیساتھ علم حدیث مین بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا، شاہ اسحٰق صاحب سے علم حدیث حاصل کیا، اور بڑے بڑے علما کو سند حدیث سے سرفراز فرمایا، جن مین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا حکیم الامت تھانوی کا نام لینا کافی ہے، اور بھی بہت علما آپ سے فیضیاب ہوئے،

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم محدث بانی دار العلوم دیوبند م ۱۲۹۷ھ

آپ نے شاہ عبد الغنی صاحب[1] مجددی دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا، پھر قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی سے سند حدیث حاصل کی، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے بھی حدیث پڑھی، بخاری شریف کی تصحیح مین زیادہ کام آپ ہی نے کیا، اور مولانا احمد علی صاحب کے حاشیہ بخاری کے پانچ اجزا کی تکمیل استاد کے ارشاد سے آپ نے ہی کی، بخاری کے یہ آخری پانچ اجزا بہت مشکل ہین،

---

[1] مولوی امام خان نوشہروی نے مولانا محمد قاسم صاحب کو شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ کا شاگرد حدیث میں لکھا ہے، یہ صحیح نہین، شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ کا انتقال اپنے سب بھائیون سے پہلے ہوا ہے، ان کو مولانا محمد قاسم صاحب کیونکر پا سکتے ہین، جنھون نے شاہ اسحٰق صاحب کو بھی نہین پایا، ۱۲ خا

کتاب الاعتصام بالسنۃ کے بعض تراجم ابواب کی مناسبت حدیث سے بالکل معلوم نہین ہوتی، اسی طرح کتاب الرد علی الجہمیہ اور کتاب التوحید بھی آسان نہیں ہین، انہی اجزاء مین امام بخاری نے قال بعض الناس کہکر حنفیہ پر اعتراضات بھی زیادہ کئے ہین، یہ مولانا محمد قاسم صاحب ہی کا حصہ تھا، کہ ان دشوار گذار گھاٹیون کو ایسا آسان کر دیا ہے کہ اب کسی راہ رو کے لئے کچھ دشواری باقی نہیں رہی،

مولانا نے اپنی کتاب ہدیۃ الشیعہ مین کتب حدیث کے طبقات اور اصول تنقید کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے، اس کو دیکھکر یہ ماننا پڑتا ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ کے اصول تنقید و قواعد تطبیق کو آپ سے بہتر کسی نے نہیں سمجھا، مولانا بڑے دعوی کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، کہ اقوال ابی حنیفہ کو حدیث کے موافق ثابت کرنے کا مین ذمہ لیتا ہون، لیکن تخریجات فقہاء کا مین ذمہ دار نہین (سمعتہ من سیدی حکیم الامۃ) جن لوگون نے مولانا کی تقریر درس حدیث مین سنی ہے، وہ اس کے شاہد ہین، کہ واقعی مولینا اقوال ابی حنیفہ کی تقریر ایسی کرتے تھے، جس کے بعد وہ بالکل حدیث کے موافق نظر آتے تھے، حدیث کو قول ابی حنیفہ کے مطابق نہین کرتے تھے کہ اس کا خلاف ادب ہونا ظاہر ہے، بلکہ قول ابی حنیفہ کو حدیث کے مطابق کر دیا کرتے تھے،

چونکہ مولانا کے زمانہ مین بعض لوگ مذہب اسلام پر اعتراض وطعن کے لئے میدان مین اتر آئے تھے، اس لئے مولانا کو اپنا زیادہ وقت ان کی مدافعت مین صرف کرنا پڑا، اور دنیا گواہ ہے کہ مولانا کو اس مین جیسی کامیابی حاصل ہوئی، وہ آپ ہی کا حصہ تھی، جس کو تائید غیبی کہنا اصلاً مبالغہ نہین، مولانا کی کتاب حجۃ الاسلام، مباحثہ شاہجہانپور، قبلہ نما، تقریر دلپذیر وغیرہ اس پر شاہد عدل ہین، اسلئے گو آپ نے خدمت علم حدیث کے لئے تحریری کام زیادہ نہیں کیا، مگر آپ کا بڑا کارنامہ جو تمام سلسلۂ ولی اللہی کے تحریری کارنامون سے زیادہ وزنی ہے یہ ہے کہ آپنے دار العلوم دیوبند کی بنیاد ڈالدی، جس مین اس وقت سے اب تک ہر سال دورۂ حدیث تمام ہوتا ہے، دار العلوم دیوبند کا نور برابر چمکتا اور بڑھتا رہا، یہان تک کہ اس کی شعاعین ہندوستان سے گذر کر سماٹرہ، جاوہ اور مشرق اقصیٰ مین چین تک پہونچ گئین، اور جنوبی افریقہ، بلاد افغان و ایران و مصر و شام و عرب تک اس کی

علمی تحقیقات کا جھنڈا بلند ہو گیا، آج دار العلوم دیوبند کو بجا طور پر ازہر الہند کا لقب دیدیا گیا ہے، جن علماء نے اس درسگاہ سے صرف دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل کی، ان کی تعداد دس ہزار سے اوپر ہے، اور جو تمام علوم شرعیہ عقلیہ و نقلیہ مین اس درسگاہ سے کامیاب ہوئے، ان کا شمار پانچ ہزار تک ہے، اور ان مین سے جو صاحب درس و تدریس ہو کر مفتاح العلوم بن گئے، ان کی تعداد ایک ہزار سے کم نہین، دار العلوم دیوبند کے طلبہ کی تعداد ہر سال ڈیڑھ ہزار سے اوپر ہو جاتی ہے، اگر اسلامیان ہند اس درسگاہ پر ویسی ہی توجہ کرتے، جیسی اہل مصر نے جامع ازہر پر کی تو یقیناً اس کا پایہ اس سے بھی بہت زیادہ بلند اور عظیم الشان ہوتا، اس درسگاہ کے فارغین نے جن مدارس کی بنیاد اطراف ہندوستان مین قائم کی ہے ان کا شمار ایک ہزار سے زیادہ ہی ہے،

اور یہ تمام تر خدمت قرآن و حدیث مولینا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے نامۂ اعمال مین داخل ہے، اللّٰھم ارفع درجاتہ وتقبل حسناتہ ومتعنا بفیوضہ وبرکاتہ آمین، تاسیس دار العلوم دیوبند مین مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھ حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولینا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے انفاس قدسیہ کی اعانت بھی شامل حال تھی، اور ابتدا مین یہی تین حضرات اس کے روح رواں تھے، مگر مؤسس اول مولینا محمد قاسم صاحب تھے،

مولانا شیخ محمد رح محدث تھانوی

مولانا شیخ محمد اپنے زمانہ مین محدث کے لقب سے مشہور تھے، شاہ محمد اسحاق صاحب کے ارشد تلامذہ سے ہین، جب آپ نے سلطان عالمگیر رح کے حافظ حدیث ہونے کا واقعہ بیان فرمایا، کہ ان کو بارہ ہزار حدیثین حفظ تھین، تو آپ کے ایک شاگرد نے پوچھا حضرت آپ کو کتنی حدیثین حفظ ہین، فرمایا، اپنی محفوظات پر نظر ثانی کرکے کل جواب دون گا، کیونکہ مین نے اب تک اپنی محفوظات کو شمار نہین کیا، دوسرے دن فرمایا، کہ الحمد للہ مجھے چار ہزار حدیثین حفظ ہین، (سمعتہ من سیدی حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ) سنن نسائی پر آپ کا حاشیہ مطبع مجتبائی مین طبع ہو چکا ہے، جس مین زیادہ تر حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی تحقیقات و تقریرات جمع کی گئی ہین،

مولانا شیخ عبد القیوم بھوپالی بڑھانوی ۱۲۹۵ھ آپ بھی شاہ اسحاق صاحب کے اجلۂ تلامذہ سے ہین، اور ان کے داماد بھی ہین، ساری عمر درس حدیث مین گذری، بڑے بڑے علماء نے آپ سے سندِ حدیث حاصل کی، مسلسلات شاہ ولی اللہ کی سند علماء کو آپ سے ہی پہونچی، آپ بھوپال سے علیل ہو کر جب اپنے وطن تشریف لے گئے، تو جماعت طلبہ بھی ساتھ تھی، جو آپ سے بخاری شریف پڑھ رہے تھے، راستہ مین مرض بڑھ گیا، اور کچھ دنون بنارس مین آپنے قیام فرمایا، اس حالت مین بھی درسِ حدیث جاری رہا، سرزمین بنارس کو یہ شرف حاصل ہے، کہ ایک قدسی صفات محدث نے اوس مین کچھ دنون درسِ حدیث دیا ہے، یہان سے وطن کو روانہ ہوئے تو مرض موت کے آثار راستہ مین شروع ہوگئے، جس وقت آپ اپنے مکان کے دروازہ پر پہونچے ہین، تو بخاری شریف کی آخری حدیث کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم آپ کی زبان پر تھی کہ نزع روح شروع ہوگیا، فوراً مکان کے اندر لیجایا گیا، اور روح قفس عنصری سے آزاد ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون اس ایک واقعہ سے ہی آپ کا شغفِ حدیث ظاہر ہے،

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی مدرس اول ومحدث مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۰۲ھ علم حدیث مولینا شیخ رشید الدین دہلوی اور مفتی صدر الدین دہلوی اور شاہ اسحٰق صاحب سے حاصل کیا، جملہ علوم شرعیہ نقلیہ وعقلیہ کے ماہر تھے، علم فقہ مین مرجع خلائق تھے، مدرسہ مظاہر علوم کے محدث اعلیٰ تھے، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی آپ سے بعض کتب ابتدائیہ پڑھی ہین، انتقال کے وقت بوجہ حدیث نبوی المؤمن یموت بعرق الجبین بار بار اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے تھے، جب پسینہ نمودار ہوا تو خوشی سے چہرہ کھل گیا، اور اس خوشی کے عالم مین انتقال فرمایا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

نادرۃ الزمان مولانا ابو الحسنات عبد الحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ آپ سلسلۂ ولی اللّٰہی کے مایۂ ناز محدث فقیہ، اصولی، معقولی، مورخ، محشی، اور بہترین مصنف تھے، تھوڑی عمر مین اتنا کام کیا ہے، کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوجاتی ہے تمام علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ وآلیہ مین آپ کی تالیفات موجود ہین، کتب درسیہ پر حواشی بھی

---

[۵] مولوی امام خانصاحب نوشہروی نے آپ کی وفات بھوپال مین لکھی ہی، جو صحیح نہین، ۱۲ ظ

بکثرت ہین تالیفات کے ساتھ شغلِ درس بھی جاری تھا، اور یہ سب خدمات ۳۹ سال کی عمر مین انجام دیکر دار البقا مین پہونچ گئے، آپ نے علم حدیث اپنے والد صاحب سے حاصل کی، ان کو حدیث کی اجازت شاہ عبد الغنی دہلوی مہاجر مدنی اور مولینا حسین علی محدث ملیح آبادی تلمیذ شاہ عبد العزیز دہلوی سے حاصل ہے پھر مولینا عبد الحی صاحب نے شاہ عبد الغنی صاحب سے خود بھی بذریعہ خط کے اجازت حاصل کی، آپ کی تالیفات حدیث مین التعلیق الممجد علی الموطا محمد بہت لاجواب ہے، جس کے مقدمہ مین تاریخ علم حدیث پر سیر حاصل کلام فرمایا ہے علم رجال مین الفوائد البھیۃ فی طبقات الحنفیۃ بے نظیر ہے، امام الکلام فی القرأۃ خلف الامام ظفر الامانی السعی المشکور، تذکرۃ الراشد، تراجم علماء ہند، سعایہ وغیرہ مصنف کی وسعتِ نظر اور شان تحقیق کی روشن دلیلین ہین، رحمہ اللہ رحمۃ من عندہ آمین، سعایہ اگر پوری ہوجاتی تو حدیث وفقہ کا بحر زخار ہوتا،

مولانا محمد حسن صاحب اسرائیلی سنبھلی ۱۳۰۵ھ آپ مولانا عبد الحی لکھنوی کے قابل تلامذہ مین تھے، علم حدیث سے خاص مناسبت تھی، مسند امام ابو حنیفہ کا حاشیہ تنسیق النظام، اور اس کا مقدمہ آپ کی حدیث دانی اور وسعتِ نظر کا نظر آئینہ ہے، تغمدہ اللہ برحمتہ ورضوانہ شرح معانی الآثار طحاوی کی تصحیح وتحشیہ مین بھی مولانا وصی احمد صاحب کے ساتھ آپنے کام کیا ہے،

مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ آپ مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ارشد تلامذہ مین سے ہین، سنن ابی داؤد پر آپ کا حاشیہ التعلیق المحمود کے نام سے طبع ہوچکا ہے، یہ حاشیہ اسی شان کا ہے جیسا مولانا احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ بخاری پر ہے، آج تک ابی داؤد کا ایسا نفیس اور جامع حاشیہ نہین دیکھا گیا، یہ بھی سلسلۂ ولی اللّٰہی کی خدمتِ حدیث کا بہت بڑا کارنامہ ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ،

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی آپ نے علم حدیث شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی سے حاصل کیا، دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس اول اور محدث آپ ہی ہین، صدہا علماء نے آپ سے سند حدیث حاصل کی، جن مین سے مولانا حکیم الامۃ تھانوی کا نام ہی کافی ہے، مولانا محمد یعقوب صاحب کی تحقیقات حدیثیہ کا اندازہ حضرت حکیم الامۃ

کی تصانیف سے بخوبی ہوسکتا ہے، آپ کو علم حدیث کے علاوہ علم تفسیر و ذوق عربیت بھی بدرجۂ کمال حاصل تھا، مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری کو باوجود کمالِ ادب دانی و تبحر فی العربیۃ کے اعتراف تھا کہ تفسیر مظہری جیسی مولانا محمد یعقوب صاحب پڑھاتے ہین مین نہیں پڑھا سکتا،

قطب زمان مولانا شاہ فضل الرحمن محدث گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۵ھ آپ بھی شاہ محمد اسحاق صاحب کے اجل تلامذہ مین سے ہین، آپ کی ساری عمر درس حدیث میں گذری ہے، بڑے بڑے علما نے آپ سے سندِ حدیث حاصل کی ہے، جن مین سے مولانا محمد علی صاحب مونگیری اور حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا نام لینا ہی کافی ہے، آپ سے بھی صدہا علما رفیضیاب اور علو اسناد کے ساتھ کامیاب ہوئے، آپ کی اسانید حدیث مین مستقل رسالہ طبع ہوچکا ہے،

محدث بہار مولانا ظہیر حسن شوق نیموی رح ۱۳۲۲ھ آپ مولانا عبد الحئی لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں سلسلۂ ولی اللّٰہی کے قابلِ فخر محدث ہین، آثار السنن کی دو جلدین مع حاشیۃ التعلیق الحسن آپ کی حدیث دانی تبحر علمی اور وسعتِ نظر اور شانِ تحقیق پر شاہد ہین، افسوس یہ کتاب پوری نہ ہوئی، ورنہ اپنے باب میں بے نظیر ہوتی، رحمہ اللہ وتغمدہ بغفرانہ،

(باقی)

تاریخ دولتِ عثمانیہ

(حصہ اول)

اس میں عثمان اول سے مصطفےٰ رابع تک سلطنتِ عثمانیہ سے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہے، اس سے زیادہ مستند اور محققانہ تاریخ اس عظیم الشان سلطنت کی اردو زبان میں اب تک نہیں لکھی گئی ہے، حجم ۵۰۰ صفحے قیمت سے ۳ر

حصۂ دوم

محمود ثانی سے لیکر جنگ عظیم تک کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے، حجم ۴۶۰ صفحے قیمت ے

منیجر

اسلامی معاشیات

کے

چند فقہی اور قانونی ابواب

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ

(۲)

نمک کا مسئلہ گذشتہ بالا عبارتوں سے جہان اور باتین ثابت ہورہی ہین، وہین یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ نمک کی کان بھی پبلک کا مشترک سرمایہ ہے، نہ وہ انفرادی ملکیت بن سکتی ہے، اور نہ حکومت اس پر کوئی محصول عائد کرسکتی ہے، اور اس بنا پر بعض علما نے ہندوستان مین پچھلے دنون یہ عام فتویٰ دیدیا تھا کہ اسلامی حیثیت سے نمک سازی پر محصول لگانا یا حکومت کو نمک بنانے سے لوگون کو روکنا جائز نہین ہے، مجھے سیاسی مصالح سے بحث نہین، لیکن علما کے متعلق یہ ضرور خیال آتا ہے کہ مسئلہ کو ہمیشہ اس کے تفصیلات کے ساتھ پبلک مین پیش کرنا ان کی دیانت کا اقتضا ہونا چاہئے، نمک کی ایسی کانین جن میں مندرجۂ بالا صفات پائے جاتے ہون یعنی (۱) لوگون کی رسائی بلا خرچ نمک تک ہوتی ہو (۲) عام لوگون کی آمد و رفت اس کان تک لگی ہوئی ہو، اور لوگ اوس سے نفع اٹھا رہے ہون، بلاشبہہ نمک کی ایسی کانون کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر وہی ہے، لیکن اگر بجائے اس کے صورتِ حال یہ ہو کہ

کان لقرب الساحل موضع اذا   سمندر کے کنارے کوئی ایسی جگہ ہو کہ جب

حصل فیه الماء صار ملحا،

سمندر کا پانی اس میں آکر جمع ہو جائے، تو نمک بن جاتا ہو،

تو اس کے متعلق فقہا، کا عام فتویٰ یہ ہے کہ

ملك بالاحياء وللامام اقطاعه،

تو اس کا آدمی مالک ہو جاتا ہے احیاؔ (آبادی) کے ذریعہ سے بھی، اور امام (حکومت) اس کو افراد کی جاگیر مین بھی دے سکتا ہے،

اس قسم کی زمینون کی احیاؔ یا زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ

تهیئتھ لما یصلح له من حفر ترابه وتمهیده و فتح قناۃ الیه تصیب الماء الیه

جس کام کی اس میں صلاحیت ہو، اس کے لئے اس کو تیار کرنا، یعنی اوس کی مٹی کھودنی، اس کو کشادہ کرنا، سمندر سے نالی نکال کر اوس کو گڑھے تک لانا، تاکہ سمندر کا پانی اس میں آکر گرے،

نمک بنانے کے لئے سمندر کی ساحلی زمینون کو بندوبست کرنے کا حکومت کو اختیار کیون ہے، اور ان مین انفرادی ملکیت کیون پیدا ہو جاتی ہے، اس کی وجہ فقہار نے یہ لکھی ہے کہ

لانه لا یضیق علی المسلمین باحداثه بل یحدث نفعه بفعله فلم یمنع منه کبقیة الموات،

(المغنی ج ۶ ص ۱۵۸)

کیونکہ سمندر کے کنارے اس قسم کے کارخانے کے قائم کرنے سے مسلمانون مین کوئی تنگی نہیں پیدا ہوتی، بلکہ اس زمین کا نفع آباد کرنے والے کے عمل سے ظاہر ہوتا ہو، پس اس کو اس فعل سے نہیں روکا جائیگا، جیسے موات کی دوسری زمینون کے آباد کرنے

اور غالبًا ہندوستان مین نمک سازی کا جو مسئلہ پیدا ہوا تھا، وہ یہی صورت تھی،

عام معدنیات کا حکم

اور صرف نمک ہی نہین، بلکہ اس کے سوا بھی جن معدنی امور کا ذکر کیا گیا ہے، کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں انفرادی ملکیت پیدا نہین ہو سکتی، اس حکم کو بھی ہر قسم کی کانون کے لئے عام حکم نہ سمجھنا چاہیے بلکہ یہ حکم ان ہی معدنی چیزون تک محدود ہے جو خود بخود باہر آگئی ہون اور لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہون ورنہ ایسے معادن جن کو فقہی اصطلاح میں معادن باطنہ کہتے ہین، اور جن کی تعریف شرح کبیر میں یہ کی گئی ہے،

هی التی لا یوصل الیها الا بالعمل والمؤنة، (ص ۱۵۰ جلد ۶)

یہ ان کانون کو کہتے ہین، جن کی پیداوار تک رسائی بغیر عمل اور مشقت ومحنت کے نہین ہو سکتی،

پھر اس کی تشریح ان لفظا میں کی گئی ہے

لم تکن ظاهرة فحفرها انسان واظهرها،

یعنی ابتداءً قدرتی طور پر وہ معدن ظاہر نہ تھا پھر کسی نے کھود کر اس کو نکالا اور نمایان کیا،

اس قسم کے معادن کی مثال میں حسب ذیل چیزون کا ذکر کیا جاتا ہے،

کمعادن الذهب والفضة والرصاص والبلور،

جیسا کہ سونے، چاندی، سیسہ، بلور وغیرہ کی کانون کا حال ہے،

بہرحال ایسے معادن جن سے انتفاع بغیر عملی جد وجہد اور مصارف کے نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کسی قسم کے ہون، اگرچہ بعض فقہا ان مین بھی انفرادی ملکیت کے قائل نہیں ہیں، ان کا مذہب ہے کہ حکومت کسی انفرادی شخصیت کے ساتھ ان کو بھی بندوبست نہین کر سکتی، لیکن صاحب مغنی نے لکھا ہے کہ

والصحیح جواز ذالك،

درست یہی ہے کہ ان کانون کا بندوبست کرنا جائز ہے،

یعنی انفرادی ملکیت بن سکتی ہے، اور حکومت کو اس کا اختیار ہے کہ کسی واحد شخص کے ساتھ اس کو بندوبست کر دے "جواز" کے ثبوت مین ابو داؤد کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے،

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقطع البلال بن حارث معادن القبلیۃ جلیسھا وغوریھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث کو قبلیہ کے معادن خواہ پست علاقوں مین ہوں یا بلند قطعات مین، بطور جاگیر کے عطا فرمایا،

اس سے ثابت ہوا کہ صرف جامد معادن ہی نہین بلکہ سیال معادن مثلاً پارہ، پٹرول، تارکول وغیرہ ایسے معادن جن کے کھودنے اور نکالنے مین مصارف اور محنت پڑتی ہے، وہ انفرادی ملکیت بن سکتے ہین، اور حکومت ان کو بندوبست کرسکتی ہے لیکن حکومت کو ان معدنی پیداوارون پر کسی قسم کے محصول عائد کرنے کا بھی حق ہے؟ یا بغیر کسی ڈیوٹی کے ملک کے باشندے، ان سے مستفید ہوسکتے ہین اس سوال کا تفصیلی جواب تو آیندہ حکومت کی آمدنی کے ذیل مین دیا جائے گا، لیکن اسلامی معاشیات کی وسعت نظری کا سرسری اندازہ کرنے کے لئے غالباً اس مسئلہ کا ذکر بیجا نہ ہوگا، جو فقہ کی عام کتابون مین پایا جاتا ہے، ابن ہمام فتح القدیر مین لکھتے ہین :-

اعلم ان مایستخرج من المعادن ثلاثۃ انواع جامد یذوب وینطبع کالنقدین والحدید وجامد لاینطبع کالجص والنورۃ والکحل والزرنیخ وسائر الاحجار کالیاقوت والملح ومالیس بجامد کالماء والقیر والنفط، (فتح القدیر ج ۱)

کانون سے جو چیز نکلتی ہے، وہ تین قسم کی ہوتی ہے، ایسی جامد چیزین جو گھل سکتی ہون، اور چھاپ قبول کرسکتی ہون مثلاً سونے چاندی لوہے وغیرہ کا جو حال ہے، دوسری قسم وہ ہے جو جامد اور غیر سیال تو ہو لیکن چھاپ قبول نہ کرسکتی ہو، مثلاً گچ، چونے، سرمہ، ہڑتال، بلکہ ان تمام چیزون کا حال ہے جن کا شمار پتھروں کے ذیل مین کیا جاتا ہے، مثلاً یاقوت، نمک، تیسری قسم وہ ہے جو جامد نہ ہو، بلکہ سیال ہو مثلاً پانی تارکول مٹی کا تیل،

ان تین قسمون کو بیان کرنے کے بعد آیندہ جو چیز انھون نے لکھی ہے، دنیا کی حکومتون کی شاید اس سے آنکھین کھل جائین، اور موجودہ حکومتون کی رعایا مین کسی حکومت کے اس نقطۂ نظر کو سن کر معلوم نہین کس قسم کے جذبات متلاطم ہونے لگین، ابن ہمام نہایت سادگی کے ساتھ لکھتے ہین، کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک

لا یجب الخمس الا فی الاول،

خمس (پیداوار کا پانچوان حصہ) صرف پہلی قسم سے حکومت وصول کرسکتی ہے،

جس کا مطلب یہی ہوا کہ قسم اول کے سوا اور تمام معدنی پیداوار ہر قسم کے محصول سے آزاد ہین، اور یہ تو امام ابوحنیفہ کا خیال ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سے بھی آگے قدم بڑھایا ہے، کہ

وعند الشافعی لا یجب الا فی النقدین،

بجز سونے چاندی کے اور کسی چیز پر خمس واجب نہین ہے،

اگرچہ اس مسئلہ کے متعلق بعض تفصیلات ہین جن پر بحث کا یہان موقع نہین، بالفعل اتنا اجمالی بیان کافی ہوسکتا ہے،

حدیث "الناس شرکاء" مین جن جن چیزون کو پبلک کا مشترک سرمایہ قرار دیا گیا ہے، اب تک اس کے پہلے جزء "الماء" اور اس کے متعلقات کی گویا یہ تفصیل تھی، باقی دو جزء اور رہ گئے، یعنی "الکلاء" اور "النار" اب ان کے متعلق مسائل کی تشریح کیجاتی ہے،

الکلاء (گھاس) کے مسائل کی تفصیل

حدیث مین چونکہ "الکلاء" کا لفظ آیا ہے، اس لئے اس کی تحقیق ہونی چاہیے، کہ الکلاء کے لغوی معنی کیا ہین، صاحب مغرب نے اپنی کتاب فقہی لغات مین اس لفظ کو لیا ہے اور اس پر ایک طویل بحث کی ہے، امام محمد کا قول تو یہ نقل کیا ہے، کہ

الکلاء ما لیس لہ ساق وما قام علی ساق فلیس بکلاء،

"الکلاء" ایسی نباتی چیز کا نام ہے جو تنہ پر قائم نہ ہو، اور جو تنہ پر قائم ہو وہ کلاء نہین ہے

"ساق" اور تنہ پر جو نباتات کھڑے ہوتے ہیں، ان کی مثال میں "عوسج" اور "غرقد" وغیرہ جنگلی درختوں کو شریک کیا ہے، لیکن مترزی صاحب مغرب نے خود اپنا فیصلہ یہ لکھا ہے:-

والظاهر انه يقع على ذا ساق وغيره

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کلار کا اطلاق تنے والے اور بے تنہ دونوں قسم کے نباتات پر ہوتا ہے

وجہ یہ بیان کی ہے کہ فقہاء "الکلاء" کی شرح میں عموماً یہ کہتے ہیں کہ

لما ترعاه الدواب رطباً كان او يابسا،

جنھیں عموماً چوپایے چرتے ہیں خواہ خشک حالت میں یا تر،

مطلب یہ ہے کہ چونکہ جانور عموماً بے تنہ والی گھانسوں کو بھی چرتے ہیں، اور بعض تنہ رکھنے والے جنگلی جھاڑ مثلاً ببول "عوسج"، "غرقد" وغیرہ کی پتیاں بھی چرتے ہیں، اس سے "الکلاء" کو بجائے گھاس کے ہر اس نبات کے لئے عام رکھنا چاہئے، جسے جانور چرتے ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے ابو عبید کی کتاب الاموال سے بھی اپنی تائید میں بعض چیزیں نقل کی ہیں، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، چاہئے کہ اپنے بھائی کو پانی اور شجر (درخت) میں گنجائش دے، اور اس درخت سے مراد وہی چرے جانے والے درخت ہی ہو سکتے ہیں، البتہ "الکلاء" کے بجائے یہاں الشجر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ حکم گھاس اور ان درختوں کو بھی عام ہے، جنھیں چوپائے اور مویشی چرتے ہیں، نیز ایک مشہور حدیث "حمی" (رکھت) کے باب میں ہے کہ اُمیہ بن حمال نے اراک (پیلو) کے متعلق دریافت کیا، کہ اس کو حمی (رکھت) یعنی اپنے اونٹوں کے لئے اس کے جنگل کو کوئی مخصوص کر سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ

مالم تنله اخفاف الابل،

ہاں، اگر اونٹوں کے قدم اگر وہاں نہ پہنچتے ہوں، تو جائز ہے،

ابو عبید نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حکم پیلو کے ان درختوں سے متعلق ہو سکتا ہے جو کسی کی مملوکہ

اراضی میں ہوں، یعنی مملوکہ زمین کے پیلو کو بھی محض اپنے مویشیوں کے لئے کوئی مخصوص نہیں کر سکتا، کیونکہ غیر مملوکہ زمین کے پیلو کو حمی (رکھت) بنانے کا تو کسی کو کیا اختیار ہے خواہ وہ دور کے ہوں یا قریب کے ہوں، اونٹوں کی دسترس سے باہر ہوں یا نہ ہوں، پس مطلب یہی ہو سکتا ہے، کہ مملوکہ زمین کے پیلو کو بھی رفاہت عامہ کے خیال سے حمی نہ بنانا چاہئے، اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ "الکلاء" کا لفظ تنہ دار اور غیر تنہ دار ہر قسم کی چری جانے والی روئیدگیوں کو عام ہے، اور یہی واقعہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقصود مویشیوں کی چرائی میں سہولت پیدا کرنی ہے، شریعت کا مقصد ہے کہ اس قسم کی چیزوں کو حتی الوسع پبلک کا مشترک سرمایہ قرار دیا جائے، قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں چراگاہوں کی چند مثالیں بیان کی ہیں

(۱) پہلی شکل تو یہ ہے کہ کسی گاؤں یا آبادی کی کوئی چراگاہ اور جنگلی جھاڑ اور گاؤں کا کوئی خاص باشندہ اس زمین کا مالک نہیں ہے بلکہ

قد عرف انها لهم فهي لهم على حالها،

عموماً یہ مشہور و معروف ہو کہ فلاں چراگاہ (یا جنگلی جھاڑیاں) فلاں گاؤں والوں کی ہیں، پس وہ انہی لوگوں کی اپنے حال پر رہیں گی،

اور گاؤں والوں کی اس زمین میں اجمالی ملک ثابت ہو گی، اب دیکھا جائے گا کہ اس گاؤں کے باشندوں کی مویشیوں وغیرہ کے لئے کوئی دوسری چراگاہ یا کنجہ، رمنہ وغیرہ ہے، یا نہیں اگر ہے تو ایسی صورت میں

ليس لهم ان يمنعوا الكلاء والماء ولاصحاب المواشي ان يرعوا تلك المروج ويستقوا من تلك المياه،

گاؤں والوں کا اس کا حق نہ ہوگا کہ عام مویشی والوں کو اس قسم کی چراگاہوں اور رمنوں میں چرائی سے روکیں، اسی طرح مویشی والوں کو اس کا بھی حق ہے، کہ یہاں جو پانی ہو، اس سے استفادہ کریں (خود پئیں، جانوروں کو پلائیں)،

لیکن اگر یہ شکل نہیں ہے بلکہ

لم یکن لاھل ھذہ القریۃ الذین یرعون ھذا المروج ولیس ملکھم موضع مسرح ومرعی لدوابھم ومواشیھم غیر ھذا المروج،

اس گاؤن والون کے لئے جن کی یہ چراگاہین ہین، ان کیلئے بجز ان کے چرائی کی کوئی دوسری جگہ نہ ہو، اور نہ کوئی دوسری چراگاہ ہو جس مین ان کے جانور اور مویشی چر سکتے ہون،

اور اس کے ساتھ صورتِ حال یہ ہو کہ

متی اذنوا الناس فی رعی تلک المروج والاحتطاب منھا اضر ذالک بھم بمواشیھم ودوابھم

اگر عام لوگون کو ان زمینون اور چراگاہون مین چرانے اور ہر شخص کو لکڑی کاٹنے کی اجازت دیدین گے، تو یہ بات ان کے لئے اور ان کی مویشیون وچوپایون کے لئے نقصان رسان ہو،

قاضی ابو یوسف کا ایسی حالت مین یہ فتویٰ ہے کہ

کان لھم ان یمنعوا کل من اراد ان یرعی فیھا ویحتطب منھا،

اس قسم کے گاؤن کے باشندون کو اس کا حق ہے کہ عوام کو اپنی چراگاہون مین چرانے سے روکین، اور اس سے منع کرین کہ کوئی اسکی جھاڑیون سے لکڑی کاٹے،

بہرحال حدیث نے "الکلاء" کو جب پبلک کا مشترک سرمایہ قرار دیا ہے، تو ایسی صورت مین انفرادی ملکیت تو اس پر طاری نہیں ہو سکتی، لیکن اشتراک مین کچھ حدبندی اس وقت ہو سکتی ہے، جب دوسرے گاؤن والون کی شرکت سے خود اس گاؤن والون کا نقصان ہو جن کی طرف یہ چراگاہ منسوب ہے، اور یہ حال تو ان چراگاہون کا ہے جن کی زمین کسی شخص کی واحد ملکیت نہین ہے، بلکہ یا تو ان کا کوئی مالک ہی نہین ہے یا سارے گاؤن کی ڈ

ملکیتِ مشترکہ ہے، لیکن اگر کسی شخص کی انفرادی ملکیت والی زمین مین "الکلاء" ہو تو باوجود زمین کے مالک ہونے کے الکلاء کا وہ قانوناً مالک نہین ہے، بدائع مین ہے،

اما الکلاء الذی ینبت فی ارض مملوکۃ فھو مباح غیر مملوکۃ،

"الکلاء" (گھاس) جو کسی مملوکہ زمین مین ہو، (تو اس سے استفادہ کا حق ہر شخص کو حاصل ہے) یعنی مباح و جائز ہے، اور اس "الکلاء" کا کوئی مالک نہیں ہے،

اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو پانی کا ہے، کہ اگر اس الکلاء کے سوا لوگون کو اپنی مویشیون کے لئے چرائی نہ میسر آسکتی ہو، تو پبلک کا حق ہے کہ اس کو مجبور کرین کہ ان کے مویشیون کو اپنی زمین مین آنے دے یا گھاس کٹوا کر لوگون کے حوالہ کرے، اور دونون شکلون پر راضی نہ ہو تو بزور اپنے حق کو اس سے لوگ حاصل کرین،

یہ حکم تو الکلاء کا اس وقت تک ہے جب تک زمین مین لگا ہوا ہے، لیکن زمین سے الگ کر لینے کے بعد جو اس پر قبضہ کرے گا، وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، ٹھیک جو حال پانی کا تھا کہ برتن مین محفوظ کر لینے کے بعد انفرادی ملکیت اس مین پیدا ہو جاتی ہے، بدائع مین ہے،

اذا قطعہ صاحب الارض و اخرج فیملکہ،

جب اس کا مالک الکلاء کو کٹوائے اور نکالے تو پھر اس کا وہ مالک ہو جاتا ہے،

صاحب الارض (مالک زمین) کی قید اتفاقی ہے، بلکہ جو بھی کاٹ کر اس پر قبضہ کرے گا مالک ہو جائے گا، اور اب اس کو وہ اسی طرح بیچ سکتا ہے، جیسے برتن اور مشک کے پانی کو فروخت کیا جا سکتا ہے، فقہ کا عام مسئلہ تو یہی ہے لیکن حنفی فقہا نے بعد کو اس مین کچھ تفصیل بھی کی ہے، یعنی دیکھنا چاہئے کہ الکلاء قدرتی طور پر پیدا ہوا ہے، یا مالک زمین نے مصنوعی تدبیرون سے ان کو اگایا ہے، دوسری صورت مین ان کا خیال ہے کہ

اذا سقاہ وقام علیہ

اگر زمیندار (صاحب الارض نے) اس الکلاء

ملکه، (بدائع)

کو سینچا ہے تو ایسی صورت میں اوس کی ملکیت قائم ہو جائے گی،

حدیث کے ظاہر معنی پر اصرار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

الصحیح جواب ظاهر الروایة لان الاصل فیه هو الاباحة،

ظاہر روایت میں اس مسئلہ کا جو جواب دیا گیا ہے وہی درست ہے، کیونکہ اصل تو یہی ہے کہ "اکلا"،

اس سلسلہ میں فقہاء ایک اور مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں، بات یہ ہے کہ عربی میں ایک لفظ "مرج" کا ہے جس کی جمع مروج ہے، یہ اردو کے "رمنہ" یا "کنج" کے ہم معنی ہے، غالباً فارسی کا "مرغزار" "مرجزار" ہی کی کوئی صورت ہے، لیکن ایک اور لفظ "اجمہ" کا ہے، جس کی جمع آجام ہے، علامہ مطرزی مغرب میں اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں، الاجمة الشجر الملتف یعنی گھنے درختوں کو کہتے ہیں، لیکن یہ لغوی معنی ہوئے پھر فقہاء جس محاورہ میں اس کو استعمال کرتے ہیں اس کے متعلق کہتے ہیں،

وقولهم بیع السمك فی الآجام یریدون البطیحة التی منبت القصب والیراع،

مچھلیوں کا آجام میں بیچنا، یہ جو فقہاء لکھتے ہیں تو آجام سے سنگریزہ والی زمین مراد ہے جو نرسل یا کلک کے اگنے کی جگہ ہے،

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنگ ریزوں والی ریتیلی زمینوں کے گہرے حصوں میں برساتی پانی جو جمع ہو جاتا تھا، اور اوس کے اردگرد یا خود اسی میں نیستان بن جاتا تھا اس کو آجام کہتے ہیں، چونکہ پانی بھی اس میں جمع ہو جاتا تھا، اس لئے اس میں مچھلیاں بھی پیدا ہو جاتی تھیں، خلاصہ یہ ہے کہ آجام دراصل آبی نیستان کو کہتے ہیں، فقہاء نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ ان کا شمار بھی مروج اور کنجوں کے ذیل میں ہوگا، اور انفرادی ملکیت اس کی درست ہو سکتی ہے، یا نہیں قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس کا کلیہ یہ لکھا ہے کہ اس زمین کو دیکھنا چاہئے جس میں اجمہ ہے، اگر زمین کسی کی انفرادی ملکیت میں نہیں ہے، تو نیستان (اجمہ) ہی کیا تمام غیر مملوکہ زمینوں کا حکم یہی ہے کہ

فان لم تکن فی تلك لاحد ملك فلا باس ان یحتطب منه جمیع الناس کا ثمار فی الجبال والمروج والاودیة والشجر مالم یغرسه الناس ولا باس بان یاکل من ثمارها ویتزود مالم یعلم ان ذلك فی ملك انسان وکذلك العسل یوجد فی الجبال والغیاض (الخراج)

اگر اس زمین میں کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہے تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہر قسم کے لوگ اس سے لکڑی کاٹ کاٹ کر لیجائیں، جیسے پہاڑوں، مرغزاروں، بیشوں، وادیوں، درختوں وغیرہ کے درختوں اور ان کے پھلوں کا حال ہے کہ جب تک کسی خاص شخص نے ان کو نہ لگایا ہو، ہر شخص کو ان سے استفادہ کا حق ہے، اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اگر اس قسم کے درختوں کے پھلوں کو آدمی کھائے یا توڑ کر گھر لیجائے، عام استفادہ کا یہ حق اسی وقت تک ہے، جب تک ان جنگلی درختوں کے متعلق معلوم نہ ہوا ہو کہ کسی خاص شخص کی ملکیت میں ہیں، پہاڑوں اور جنگلوں میں جو شہد پایا جاتا ہے، اس کا بھی یہی حال ہے،

لیکن اگر "زمین" کسی کی مملوکہ ہے تو پھر "الکلا" کے سوا اس کی اور پیداواروں میں تصرف کرنے کا حق مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہ ہوگا، خواہ زمین کے مالک نے اسے بویا ہو یا خود رو ہو، بدائع میں ہے،

لیس لاحد ان یحتطب من اجمة رجل الا باذنه لان الحطب والقصب مملوکان لصاحب الاجمة ینبتان علی ملکه وان

ایسا اجمہ (نیستان) جو کسی خاص شخص کی ملک میں ہو اس کے متعلق کسی کو اس کا حق نہیں ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی لکڑی کاٹے، کیونکہ لکڑی اور نرے کے ڈنٹھل یہ دونوں اجمہ

لم یوجد منہ الا انبات اصلاً

کی مالک کی ملک ہے، وہ زمین سے پیدا ہی ہوتی ہیں، مالک زمین کی ملک ہیں اگرچہ ان کے اگانے میں مالک زمین نے کوئی کام نہ کیا ہو، یعنی خودرو ہوں جب بھی اسی کے مالک قرار

بہرحال اس باب میں کلیہ وہی ہے جو صاحب بدائع نے لکھا ہے کہ

الاصل ان یکون من المملوک مملوکا الا ان الاباحۃ فی بعض الاشیاء ثبت علی مخالفۃ الاصل بالشرع والشرع ورد بھا فی اشیاء مخصوصۃ فیقتصر علیھا

اصل یہ ہے کہ مملوکہ چیز سے جو چیز پیدا ہوگی وہ بھی مملوک ہی ہوگی، لیکن اس اصل کے خلاف بعض چیزوں میں شریعت نے "اباحت" کا قانون نافذ کیا ہے، یعنی استفادہ کا حق ہر شخص کو دیدیا ہے، لیکن اباحت کا یہ قانون چند مخصوص چیزوں کے ساتھ محدود ہے، اس لئے حکم بھی ان ہی

تیسرے اشتراکی سرمایہ آگ کے احکام

اب تیسرا جزء "النار" کا رہ گیا ہے، جو حدیث میں عام پبلک کی مشترک چیز قرار دیگئی ہے، فقہا نے اس کی بھی کچھ تفصیل کی ہے، صاحب بدائع لکھتے ہیں،

النار اسم جوھر مضیئ دائم محرکۃ علواً

آگ ایک تابناک روشن جوہر کا نام ہے جو ہمیشہ اوپر کی طرف متحرک رہتی ہے،

اور اسی بنا پر فقہاء کا یہ فتوی نقل کیا ہے کہ

فلیس لمن اوقدھا ان یمنع غیرہ من الاصطلاء بھا لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اثبت الشرکۃ فیھا

پس جس نے آگ سلگائی ہو اس کو اس کا حق نہیں ہے کہ دوسروں کو تاپنے سے روکے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ میں "شرکت" ثابت فرمائی ہے،

اور اصطلاء یعنی تاپنے کا ذکر تو بطور مثال کے کیا گیا ہے، ورنہ مقصد یہ ہے کہ آگ کی حرارت ہو یا روشنی یا اسی قسم کا کوئی کام، استفادہ کی ان تمام صورتوں کا حق ہر شخص کو ہے، اور آگ یا لیمپ روشن کرنے والے کو اس کا حق نہیں ہے، کہ وہ استفادہ کے اس حق پر کوئی معاوضہ لے، مگر اس کے بعد سوال آگ سے نہیں، بلکہ اس لکڑی یا تیل یا اس چیز سے ہے جس میں آگ پیدا کیجاتی ہے، کہ کیا اس کا شمار بھی مشترک سرمایہ میں ہوجائے گا، صاحب بدائع لکھتے ہیں،

فاما الجمر فلیس بنار وھو مملوک لصاحبہ فلہ حق المنع کسائر املاکہ

لیکن انگارہ تو وہ آگ نہیں ہے پس جس کا وہ ہے وہ اس کا مالک ہے، اسی لئے دوسروں کو روکنے کا حق اُسے حاصل ہے، جیسے دوسرے مملوکات میں یہی حق اس کو دیا گیا ہے،

اگرچہ جزئیات کا اور طویل سلسلہ موجود ہے، لیکن اس باب میں اسلام کے جو کلی نقاطِ نظر تھے، ایک حد تک ان کی بحث ختم ہوگئی، اب اس سلسلہ کی صرف ایک چیز رہ جاتی ہے، یعنی "شوارع عام"،

عام شوارع اور راستوں کے احکام

جن کی حیثیت اسلام ہی میں نہیں بلکہ تقریباً دنیا کے تمام قوانین اور دستور میں آبادی کے عام باشندوں کے مشترک مفاد کی ہے، اسلامی مقننین نے بھی اس کی اس حیثیت کو باقی رکھا ہے، بغیر کسی اختلاف کے فقہ کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ

ما کان من الشوارع والطرقات والرحاب بین العمران فلیس لاحدٍ احیاءھا،

راستے کوچے، شہر کے میدان، چوک جو آبادیوں کے درمیان ہوتے ہیں، ان کے متعلق کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کو آباد کرے،

یعنی کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ بطور انفرادی ملکیت کے ان پر قبضہ کرکے ان کو اپنی ملکیت بنائے مثلاً ان پر مکان بنائے یا اس قسم کا کوئی تملیکی تصرف کرے، مندرجۂ بالا عبارت کے الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ

یہ حکم صرف سڑکون اور کوچون ہی تک محدود نہین ہے، بلکہ "الرحاب" یعنی شہرون کے بیچ بیچ مین جو میدان مختلف ضرورتون کے لئے مثلاً کھیلنے کودنے کے لئے یا اس زمانہ مین جو سیر گاہین بنادی جاتی ہین، یہ بھی پبلک کے مشترک مفاد مین داخل ہو جاتی ہین، اور ان مین بھی کسی شخص واحد کو مالکانہ تصرفات کا حق نہین ہے، اس قانون کی تفصیل کرتے ہوئے فقہاء نے اس کی بھی تصریح کردی ہے، کہ یہ حکم صرف ان ہی سڑکون یا گلیون یا میدانون تک محدود نہین ہے جن پر تصرف کرنے سے عام مخلوق کو تکلیف ہوتی ہو، بلکہ تکلیف ہو یا نہ ہو، زمین کا ہر وہ حصہ جو عام گزرگاہ کی حیثیت کسی آبادی مین اختیار کر چکا ہے، سب کے لئے یہ حکم عام ہے، ابن قدامہ کے الفاظ یہ ہین:۔

سواء کان واسعا او ضیقا وسواء	خواہ کشادہ ہون یا تنگ، اور خواہ اس مین تصرف
ضیق علی الناس اولم یضیق،	کرنے سے لوگون پر تنگی پیدا ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو،

مسلمانون مین شاہراہون اور شہر کے ان مقامات مین عام باشندون کے مفاد کو کس حد تک اہمیت حاصل ہے؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس حکم کی توجیہ کرتے ہوئے صاحب مغنی لکھتے ہین:

لان ذالک مشترک فیہ	کیونکہ عام مسلمانون میں یہ چیزین مشترک ہین
المسلمون ومتعلق بہ مصلحتھم	اور ان کی مصلحتین ان سے متعلق ہیں، تو گویا
فاشبہ مساجدھم،	مسلمانون کی مسجدون کی مانند ان کا حال ہے،

عام راستون کا اسلام مین احترام

مندرجۂ بالا فقرہ مین "فاشبہ مساجدھم" کے الفاظ قابلِ غور ہین، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہری حقوق کا مسلمانون نے کتنا احترام کیا ہے، اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اماطۃ الاذی عن الطریق یعنی راستون سے ان چیزون کا ہٹانا جو راہگیرون کے لئے باعث تکلیف ہون، اس فعل کو من الایمان (یعنی ایمان کا جزء) قرار دیا ہے، اور اسی بنا پر مشہور حدیث الطھور شطر الایمان (پاکیزگی اور صفائی ستھرائی ایمان کا ایک بڑا حصہ ہے) مین دوسری چیزون کی تطہیر و ستھرائی کے ساتھ مکانون اور سڑکون کی صفائی کو بھی داخل سمجھنا چاہئے، جب راستون کی صفائی

کی صحیح حدیثون مین اتنی اہمیت ہے تو فقہاء نے شوارع و طرق کو مسلمانون کے حقوق کے اعتبار سے اگر اشبہ بالمساجد قرار دیا ہے، تو اس پر قطعاً تعجب نہ ہونا چاہئے، اور اس خیال کی بھی تغلیط ہوتی ہے، کہ بلدیات اور میونسپلٹی وغیرہ کے اصول و قوانین جدید مغربی تمدن کے نتائج ہین[1]، خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، مین گفتگو ان فقہی احکام کے متعلق کر رہا تھا، جو شہرون اور آبادیون کی عام گزرگاہون وغیرہ کے متعلق ہین کہ ان مین کسی قسم کی انفرادی ملکیت کی قطعاً گنجایش نہین ہے، نہ خود ان کو اپنی ملک کوئی بنا سکتا ہے، اور نہ حکومت ایسا کر سکتی ہے، البتہ اس قسم کی سڑکون اور گزرگاہون پر بیٹھ کر عام طور سے جو لوگ خرید و فروخت کرتے ہین فقہاء نے اس کے متعلق لکھا ہے،

ان کان مجالس یضیق علی المارۃ	اگر گزرگاہون کی ان نشست گاہون کی وجہ
لم یحل لہ الجلوس فیہ ولا	سے آمد و رفت کرنے والون کی تنگی محسوس ہو تو
یحل للامام تمکنہ بعوض لاغیر	پھر ان میں بیٹھ کر خرید و فروخت جائز نہ ہوگا،
(مغنی)	اور نہ حکومت کے لئے جائز ہے کہ ایسے مقامات
	پر کسی کو قبضہ معاوضہ لے کر عطا کرے،

لیکن سڑک اگر اتنی کشادہ ہے کہ راہگیرون کو کوئی تنگی نہین پیدا ہوتی، تو ایسی صورت مین

یجوز الارتفاق بالقعود فی	ان گزرگاہون میں جو کشادہ اور وسیع
الواسع من ذالک البیع والشراء	مقامات ہون تو ان پر بیٹھ کر خرید و فروخت
علی وجہ لا یضیق علی احد	کی آسانی حاصل کرنا اس وقت جائز ہے

[1] واقعہ یہ ہے کہ آج جن قوانین کا تعلق محکمۂ صفائی یا آرایش وغیرہ سے ہے اسلامی فقہاء نے ان کے مختلف پہلوؤن پر اپنی کتابون مین بحث کی ہے، جاننا چاہئے کہ فقہ کی کتابون سے ان قوانین کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار کیا جا سکتا ہے،

ولا یضرا لمارة، — جب آنے جانیوالوں کی راہ میں تنگی نہ پیدا ہوتی ہو نہ کسی اور کو،

اس قسم کا استفادہ سڑکوں سے شہر کے عام باشندے خود بھی کرسکتے ہیں، اور حکومت کو بھی ایسی صورت میں (یعنی جن میں ضرر کا اندیشہ نہ ہو) اختیار ہے کہ سڑکوں بلکہ مسجدوں کے احاطہ وغیرہ میں جسے رحاب المساجد کہتے ہیں، اس قسم کے کاروبار کے لئے جگہ دیسکتی ہے،

ابن قدامہ نے الطرق الواسعة اور رحاب المساجد کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ

للامام اقطاعها لمن یجلس فیها — امام (حکومت) ان مقامات کو بیٹھنے والوں کے لئے مخصوص کرسکتا ہے،

لیکن اسی کے ساتھ اس کی بھی تصریح کردی گئی ہے،

ولا یملکها المقطع بل یکون احق بالجلوس فیها من غیرہ، — لیکن حکومت جس کے نام سے اس کو مخصوص کرے، وہ اس کا مالک نہ ہوگا، صرف دوسروں کے اعتبار سے بیٹھنے کا وہ زیادہ حقدار ہوگا،

اسی طرح اگر اس قسم کے مقامات پر حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی خرید و فروخت کے لئے بیٹھ جائے تو

السابق احق به ما دام فیه فان ترك متاعه فیه لم یجز لغیرہ ازالته لان ید الاول علیه و ان نقل متاعه کان لغیرہ ان یقعد فیه لان ید لا قد زالت — جس نے آگے بڑھکر اس پر قبضہ کرلیا ہو تو وہی اس کا حقدار ہوگا، جب تک اس پر قابض رہیگا، اگر اس قسم کے مقامات میں اپنے سامان چھوڑ کر چلا جائے تو کسی دوسرے کو اس کا حق نہ ہوگا کہ اس کے سامان کو اس جگہ سے ہٹائے کیونکہ ابھی پہلے آدمی کا اس پر قبضہ باقی ہے اور اگر اپنے سامان کو وہاں سے ہٹالے تو پھر اب دوسرے کو یہ حق ہے کہ اس مقام پر بیٹھ جائے،

بہر حال مشہور حدیث "منیٰ مناخ من سبق" کی بنا پر ایسی صورت میں جس نے پہلے قبضہ کرلیا، اس کو ترجیح دیجائے گی، اس ضمن میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے مقامات میں کوئی دوکان کے لئے کیا مکان، یا چبوترہ وغیرہ بنا سکتا ہے ؟

ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ

لیس له البناء لا دکة ولا غیرها لانه یضیق علی الناس ویعثر به المارة باللیل والضرر باللیل والنهار ویبقی علی الدوام فربما ادعی ملکه بسبب ذلك — کسی کو ان مقامات میں کسی قسم کی تعمیر کا حق نہیں ہے، حتی کہ چبوترہ یا چبوترہ کے سوا بھی کوئی چیز نہیں بنا سکتا، کیونکہ اس قسم کی چیزوں سے عام لوگ تنگی میں مبتلا ہوجائیں گے اور گزرنے والوں کے لئے خطرہ ہے کہ رات کے وقت اس سے ٹھوکر کھائیں، اور پھسل کر گریں، اسی طرح شب و روز ضرر کا اس سے اندیشہ ہے، اور چونکہ ایسی چیزیں دوامی ہوتی ہیں اسی لئے اس کا بھی خطرہ ہے کہ آگے چل کر اس کی ملکیت

لیکن اس کے ساتھ اس کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ

له ان یظلل علی نفسه بما لا ضرر فیه من باریة وتابوت وکساء ونحوہ لان الحاجة تدعو الیه — ان مقامات پر بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے والوں کو اس کی اجازت ہے کہ اپنے اوپر کوئی سایہ کی چیز کھڑی کریں، جس میں کسی کو ضرر نہ پہونچے، مثلاً چٹائی یا ٹاٹ یا کمل یا اسی قسم کی چیزوں

لہ منیٰ کے میدان میں جو جہاں اپنے اونٹ کو پہلے بٹھادے گا وہی اس جگہ کا حقدار ہوگا، ۱۲،

من غیر مضرۃ فیہ، سے سایہ کریں اور یہ اجازت اس لئے دیجاتی ہے کہ اس کا وہ حاجت مند ہے، اور دوسرون کا اس مین ضرر نہین ہے،

یہان یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ جتنے احکام بیان کئے گئے ہین، ان کا زیادہ تر تعلق شوارع عام یا عام گذرگاہون وغیرہ سے ہے، لیکن خاص راستے اور کوچے جنھین صرف کسی خاص مکان یا چند مکان کے رہنے والے ہی اپنی آمد و رفت کے لئے استعمال کرتے ہون، ان کے احکام عام راستون سے مختلف ہین، جن کی تفصیل فقہ کی کتابون مین موجود ہے، (باقی)

تاریخ اخلاقِ اسلامی

اس مین اسلامی تاریخ کی پوری تاریخ قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ مولانا عبد السلام ندوی ضخامت:- ۲۰۶ صفحے قیمت:- عہ/۱۲

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس مین ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے، جس سے جدید فقہ کی ترتیب مین مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے قیمت ہے

سفرِ حجاز

اس سفرنامہ مین مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے اپنے سفر حجاز کے دلچسپ چشم دید حالات لکھے ہین، اور حج و زیارات کے متعلق تمام فقہی معلومات و ہدایات کو جمع کر دیا ہے، حجم ۲۲۱ صفحے قیمت:- عار

منیجر

آل انڈیا اسلامک ہسٹری کانفرنس

کے

اجلاس پشاور کی رُوداد

از

ڈاکٹر سید عبد اللہ ایم اے، ڈی لٹ قائم مقام سکریٹری آل انڈیا اسلامک ہسٹری کانفرنس

آل انڈیا اسلامک ہسٹری کانفرنس کا دوسرا اجلاس ۷، ۸، ۹ راپریل ۱۹۴۴ء کو صوبہ سرحد کے صدر مقام پشاور مین منعقد ہوا، پشاور شمالی ہندوستان کے چند اہم تاریخی شہرون مین سے ہے، اس کے نواح مین بے شمار آثار مظاہر ایسے ہین جن سے مورخ کو بہت کچھ مواد مل سکتا ہے، خود پشاور کے اندر عہد اسلام اور عہد قبل از اسلام کی بے شمار یادگارین موجود ہین، جو محققین کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہین،

ان سب خصوصیات کی وجہ سے جن کا یہ شہر حامل ہے، پشاور فی الحقیقت کانفرنس کے انعقاد کے لئے مناسب اور موزون مقام تھا،

کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے پشاور اور سرحد کے باشندگان نے ایک بااثر اور بارسوخ مجلس استقبالیہ کی تشکیل کی تھی، جس کے صدر آنریبل خان بہادر قاضی محمد امیر احمد خان جج جوڈیشل کورٹ پشاور تھے، موصوف نہایت خلیق، متواضع اور علم دوست بزرگ ہین، اور علی گڈھ کے تعلیم یافتہ ہین، نئی تعلیم سے آراستہ ہونے کے باوجود صوم و صلوٰۃ کے پابند ہین، مجلس استقبالیہ کے سکریٹری قاضی محمد فرید ایم اے (کینٹب) پروفیسر تاریخ اسلامیہ کالج پشاور مقرر ہوئے، مگر ان کے بے وقت علیل ہو جانے کی وجہ سے بہت سا

کام مسٹر سکاٹ آئی سی ایس پرنسپل اسلامیہ کالج نے انجام دیا، اس مین ان کے ساتھ پروفیسر محمد رضا خان ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور اور دوسرے حضرات نے بھی ہاتھ بٹایا،

کانفرنس کے اس اجلاس کی صدارت کے لئے مرکزی کمیٹی کی مجلسِ عاملہ نے خان بہادر مولوی محمد شفیع ایم اے کینٹب) سابق پرنسپل اورنٹیل کالج اور ممبر سنڈیکیٹ پنجاب یونیورسٹی کا انتخاب کیا، علوم مشرقیہ مین موصوف کا جو تبحر اور اسلامی تاریخ اور کلچر کے ساتھ جو شغف ہے وہ اصحابِ علم سے پوشیدہ نہین، یہ موصوف ان بزرگون مین سے ہین، جنھون نے ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب (صدر مرکزی کمیٹی آل انڈیا اسلامک ہسٹری کانفرنس) کے ساتھ مل کر آج سے بیس پچیس سال قبل اسلامی تاریخ کے مضمون کی تعلیم پنجاب یونیورسٹی مین شروع کی، اور باوجود مشکلات کے سالہا سال تک اُسے جاری رکھا، اپنے دورانِ ملازمت مین عربی و فارسی زبانون کے مرتبے اور حیثیت کو برقرار رکھنے اور ان کی تشویق و ترویج کے لئے جو کام کیا، وہ اظہر من الشمس ہے، انہی کی بدولت پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا عربی فارسی شعبہ اس وقت یہ درجہ حاصل کر چکا ہے کہ شاید (رامپور اور آصفیہ کے بعد) ہندوستان بھر کی کوئی لائبریری قلمیات و مطبوعات کے اعتبار سے اس کا مقابلہ نہین کر سکتی، تاریخ سے متعلق موصوف کی ان خدمات و خصوصیات کی بنا پر صدارت کیلئے اس سے زیادہ موزون انتخاب مشکل تھا، اگرچہ وقت کی قلت اور سفر کی صعوبت کے پیش نظر یہ اندیشہ تھا کہ کانفرنس مین شامل ہونے والے مندوبین دوسرے صوبون سے زیادہ تعداد مین نہ آسکین گے، مگر یہ امر بے حد باعثِ اطمینان اور اس مضمون کی آیندہ ترقی کا مبشر ہے کہ کانفرنس مین شریک ہونے کے لئے پنجاب کے علاوہ حیدرآباد دکن کے مندوبین تشریف لائے تھے،

کانفرنس مجوزہ پروگرام کے مطابق، ۸ اپریل کو ۳ بجے بعد دوپہر خیبر یونین ہال اسلامیہ کالج مین شروع ہوئی، معززین شہر کثیر تعداد مین موجود تھے، جن مین آنریبل سردار عبدالرب خان نشتر وزیر مالیات، خان بہادر محمد قلی خان او بی ای، نواب محبوب علی خان ڈپٹی کمشنر کوہاٹ، آنریبل سردار اجیت سنگھ وزیر سرحد، میجر اسکندر مرزا ڈپٹی کمشنر پشاور، خان محمد اسلم خان انڈر سکریٹری حکومتِ سرحد، خان بہادر شاہ عالم خان

ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم صوبہ سرحد، ملک خدا بخش ایڈوکیٹ جنرل اور بے شمار دوسرے حضرات شامل ہین،

تلاوت قرآن مجید کے بعد صدر استقبالیہ آنریبل قاضی محمد امیر احمد خان نے اپنا خطبہ پڑھا، اس کے بعد صاحب صدر نے اردو مین اپنا عالمانہ خطبہ سناتے ہوئے سب سے پہلے پشاور کی تاریخی اہمیت کا تذکرہ کیا، پشاور کے عہد جدید کا ذکر کرتے ہوئے کہا، میرے نزدیک پشاور کے اس دور جدید کی سب سے بڑی تاریخی یادگار اسلامیہ کالج ہے جو اس صوبہ اور متصلہ علاقہ مین شمعِ ہدایت کا کام دے رہا ہے، اور ان اطراف کی حیاتِ ذہنی اسکے دمِ جانبخش سے وابستہ ہے،

اس کے بعد صاحبِ صدر نے مسلمانون مین علم تاریخ کی ابتدا اور اس کی عہد بعہد کی ترقیون پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا، کہ مورخین عرب کی مساعی مشکورہ اور عربون کے علم تاریخ کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لئے علامہ سخاوی (م-۵۰۲) کی الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ کی فہرست مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنا کافی ہے، سیرتِ نبویہ، تراجم صحابہ، تاریخ خلفاء، تاریخ ملوک و دول مخصوصہ و افراد مخصوصین، تاریخ وزراء، تاریخ امراء، طبقاتِ فقہاء و قراء و ادباء، تاریخ صوفیہ، تاریخ قضاۃ، تواریخ مغنین و اشراف کرماء و اذکیاء و مغفلین و بخلاء و طفیلیین، و عقلاء و اطباء، تاریخ متبدعہ، اخبار شجعان و عور و عمش و عمیان و حدبان و معمرین و شبان، اخبار عشاق، اخبار رواۃ حدیث، معاجم بلدان، وفیات، غرض کوئی شاخ تاریخ نویسی کی نہ تھی، جس پر انبار در انبار کتابین نہ لکھی گئی ہون، یہ صحیح ہے، کہ ان مین سے بے حساب کتابین دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکین اور بہت سی ایسی ہین، جن کے وجود سے ہم اس وقت آگاہ نہین ہین، مگر بحمد اللہ کہ بہت سی ایسی کتابین ہم تک پہنچی ہین اور بعض ایسی ہین کہ وقتاً فوقتاً معرضِ خفا سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی رہتی ہین"

اس کے بعد جناب صدر نے عربی کے علاوہ فارسی اور ترکی کی تاریخی کتابون کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سٹوری کی پرشین لٹریچر مین فارسی زبان کے مورخون کا ذکر ۵۰۰ شمارون مین آیا ہے، .... مگر بقول کارا ڈوو ایران نے مورخون کی نسبت شاعر زیادہ پیدا کئے ہین، اور فارسی تاریخین عربی کی تاریخون کی بہ نسبت اہمیت، وسعتِ نطاق اور ایجاز کے اعتبار سے بہت پیچھے ہین، کم از کم ایران کی تاریخون کی صورت

تو یہی ہے، البتہ ہندوستان کی فارسی تاریخون مین اعلیٰ پایہ کی تاریخین موجود ہین، ترکی مورخین کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "ترکون کو من حیث القوم تاریخ سے بے حد شغف ہے، استنبول کے کتب خانون مین بہترین کتب تاریخی محفوظ مین،.... مگر فی الجملہ ترکون سے ہمارے ادبی روابط حد سے زیادہ کمزور ہین، اور مخطوطات یا ان کی نقول کا تو کیا ذکر ہے، وہان کی مطبوعہ کتابون کا حاصل کرنا بھی دشواریون سے خالی نہین"،

اس کے بعد ہندوستان مین اسلامی تاریخون کی بعض اہم ضروریات پر تبصرہ کرتے ہوے کہا:-

"مورخین اسلام کے ندین کارنامون اور اسلامی تاریخ کے لٹریچر کی فراط کے اس نہایت اجمالی ذکر سے مقصد یہ ہے کہ اس گران بہا ورثے کی طرف جو ہم کو ماضی سے ملا ہے، قوم کو متوجہ کیا جائے، اور اس کے مطالعہ کی طرف رغبت دلائی جائے، اُن اسباق سے جو مطالعۂ تاریخ سے حاصل ہوتے ہیں فائدہ اٹھانا جب ہی ممکن ہے جب یہ کتابین عام طور پر میسر آجائین، مفید کتابین جو اب تک طبع نہیں ہوئی ہین، ان کو طبع کیا جائے۔ ہر طبقہ کے لئے صحیح تاریخی روایتون پر مشتمل کتابین سہل الحصول ہون، تاریخ اسلام کے جن ابواب پر ابھی تک کافی روشنی نہین پڑی ہے ان کو تحقیق کے بعد روشنی میں لایا جائے، مخطوطات، فرامین و سکون کی جمع آوری کی جائے، مخطوطات کی فہرستین اور پھر ان فہرستون کی فہرستین Catalogue of Catalogues مرتب ہون، مستند تاریخی کتابون کو شائع کیا جائے، تاریخ اسلام کی ترتیب اور اس کی مجملات، متوسطات اور مطولات کی تدوین ہو، مگر یہ سب کچھ جب ہی ممکن ہے جبکہ تحقیقاتِ علمی کے لئے سہولتین مہیا کی جائین، اور تاریخ اسلامی کے درس کے لئے ملک بھر کی یونیورسٹیون مین معقول انتظام کیا جائے، چونکہ ترکی زبان مین تاریخ اسلام کا بہت سا مواد موجود ہے، اس لیے ضروری ہے، کہ ترکی کی تحصیل و تعلیم کے لئے اقلاً علی گڑھ یا لاہور مین کوئی بندوبست کیا جائے،...."

خطبے کے بعد پہلا اجلاس ختم ہوا،

اس کے بعد ۲ بجے شام سبجکٹس کمیٹی کا جلسہ ہوا جس مین تمام مندوبین اور مجلس استقبالیہ کے ارکان

شامل ہوئے، بحث و تمحیص کے بعد مجلس عام کے لئے تجاویز منظور ہوئین،

۸ر اپریل کو بوقت ۱۰ بجے صبح کانفرنس کا عام اجلاس شروع ہوا حاضرین مین معززین شہر اسلامیہ کالج کے اساتذہ اور طلبہ سب شامل تھے، ان مین سے میجر اسکندر علی مرزا ڈپٹی کمشنر پشاور، خان بہادر محمد قلی خان، محمد یوسف خان بی اے، (آکسن) خان بہادر سکندر خان، خان بہادر غلام صمدانی خان، پروفیسر شیخ محمد تیمور، پروفیسر مہتہ مشن کالج لاہور وغیرہ کے اسمار قابل ذکر ہین، اس اجلاس مین ذیل کے مقالات پڑھے گئے،

۱- پنجاب اور صوبہ سرحد مین قلمی کتابون کے ذخیرے (انگریزی) — ڈاکٹر سید عبداللہ لیکچرار اورنٹیل کالج لاہور،

۲- سیف الدولہ محمود بن ابراہیم بن مسعود ابن محمود غزنوی (اردو) — مسٹر مشتاق احمد بھٹی ایم اے پنجاب یونیورسٹی

۳- دکن کی اسلامی تاریخ کی اہمیت (اردو) — سید مبارز الدین ایم اے، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد،

۴- کشمیر مین اسلام کی ابتدا اور اشاعت (انگریزی) — ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی، ایم اے، ڈی لٹ سابق انسپکٹر آف سکولز (سی۔ پی)

۵- اکبری دور مین کتابون کی تذہیب اور نقاشی (انگریزی) — ملک شمس الدین بی اے، (عجائب خانہ لاہور)

۶- ابن خلدون (انگریزی) — خان محمد یوسف خان، بی اے (آکسفورڈ)

۷- شاہانِ مغلیہ کے ذہنی اور علمی کارنامے، (انگریزی) — پروفیسر محمد موسیٰ کلیم، ایم اے، (اسلامیہ کالج پشاور)

۸- [1] ہندوستان کے چند سلاطین کے مسکوکات (انگریزی) — مسٹر محمد اسمٰعیل ایم اے، (مہتمم عجائب خانہ لاہور)

[1] نمبر ۸ و ۹ کے مقالہ نویس حضرات خود شریک نہ ہو سکے، انھون نے اپنے مقالات بھیج دیئے تھے،

(۹) جدید سائنس کا اسلامی پس منظر،	(انگریزی)	خواجہ عبدالوحید سکرٹری اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور،

اس اجلاس مین چند تجاویز بھی منظور ہوئین جس کی تفصیل آیندہ آتی ہے،

اسی شام کو ۷ بجے مجلس استقبالیہ نے بڑے وسیع پیمانے پر دعوت طعام دی، اس دعوت مین شہر کے کم و بیش دو تین سو مہمان شامل ہوئے،

اس کے بعد ½ ۱۰ بجے شب کو ملک شمس الدین صاحب بی اے (عجائب خانہ لاہور) نے مغلون کے عہد مین فن مصوری کے موضوع پر ایک باتصویر تقریر کی، اس تقریر کو حاضرین نے (جن مین چند وزرا اور دیگر عمائد شہر بھی شامل تھے) بے حد پسند کیا، تقریر کے اختتام پر آنریبل قاضی میر احمد خان صدر مجلس استقبالیہ نے اس تقریر کے لئے مقرر اور کانفرنس کے کارپردازون کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا، کہ اُن کی وجہ سے اہل پشاور کو اس دلچسپ موضوع پر کچھ سننے اور جاننے کا موقع ملا،

۱۶ اپریل کو ۱۰ بجے صبح کانفرنس کی مجلس عام کا اجلاس پھر منعقد ہوا، اس اجلاس مین اتوار کی تعطیل کی وجہ سے زیادہ رونق تھی، اس کے علاوہ اس اجلاس مین کانفرنس کی بہت سی اہم اور ضروری تجاویز پیش ہوئین، جن کی تفصیل آیندہ سطور مین آتی ہے، پہلے سکرٹری نے رپورٹ پڑھی، اس کے بعد ذیل کے مقالات پڑھے گئے،

۱- تاریخ الرسل الی الخلافۃ الراشدہ،	(بزبان عربی)	مولانا سید محمد العربی المراکشی، اورنٹیل کالج لاہور
۲- پشاور کا قلعہ شاہی،	(انگریزی)	مسٹر ایس، ایم جعفر (پشاور)
۳- خوشحال خان خٹک،	"	مسٹر دوست محمد کامل ایم اے، ایل، ایل بی (بنون)
۴- قرآن مجید اور مسئلہ نسخ،	"	مولانا فضل الرحمن ایم اے، (پنجاب یونیورسٹی)
۵- عہد مغلیہ مین جاگیرداری نظام،	"	پروفیسر محمد رضا خان ایم اے (اسلامیہ کالج پشاور)

۶- لاہور شاہیون کے عہد مین[1]	(انگریزی)	ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ڈی لٹ اور پروفیسر تاریخ دکن کالج پونا
۷- مسلمانان ہند کے احیائے جدید مین مطالعۂ تاریخ کا حصہ	(اردو)	ڈاکٹر سید عبداللہ لکچرر اورنٹیل کالج لاہور،
۸- عہد شاہجہانی کے پنجابی مورخ،	(اردو)	شیخ صادق علی دلاوری، ایم اے اورنٹیل کالج لاہور)
۹- آزاد بلگرامی بحیثیت مورخ کے	(انگریزی)	مسٹر سکھ راج الفت لاہور، ایم اے (")

یہ اجلاس ½ ۱ بجے ختم ہوا، اور ۹ بجے شب کو اسٹیشن پر صدر اجلاس خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب اور مندوبین کو رخصت کیا گیا،

کانفرنس کے اس اجلاس کے سلسلہ مین منتظمین نے قلمی کتابون کی نمائش بھی ترتیب دی تھی، افسوس ہے کہ اس نمائش مین باہر کی قلمی کتابین مہیا نہ ہو سکین، صرف اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانہ مشرقیہ کے نوادر تھے، صدر اجلاس نے متعدد موقعون پر اس امر پر اظہار افسوس کیا، کہ اسلامیہ کالج پشاور مین علوم مشرقیہ کے سلسلہ مین جتنی توجہ ہونی چاہئے، وہ نہین ہوئی، اور اس کی قلمی کتابون کی مشرح فہرست کی انگریزی زبان مین ضرورت ہے، جس کے بغیر ان نوادر کا حال انگریزی دان دنیا کو نہین معلوم ہو سکتا، اردو کی فہرست مرتبہ مولانا عبدالرحیم غنیمت ہے، مگر وہ ضروریات کے لئے کفتی نہین،

اسلامیہ کالج پشاور کے لائق پرنسپل مسٹر اسکاٹ آئی سی ایس اور دیگر اساتذہ و ارکان مجلس استقبالیہ لائق شکریہ ہین، جن کے تعاون اور حسن اشتراک عمل کے بغیر کانفرنس کو یہ کامیابی حاصل نہ ہوتی، کارپردازان کانفرنس خان بہادر محمد قلی خان کے بھی شکر گذار ہین،

تجاویز کانفرنس مین مختلف اصحاب کی طرف سے حسب ذیل تجویزین پیش ہوئین، اور ہندوستان کے تعلیمی ادارون اور حکومت کے مختلف شعبون سے حسب ذیل مطالبات کئے گئے:-

[1] مضامین ۶ و ۹ کے مقالہ نگار حضرات تشریف نہیں لائے مقالے پڑھے گئے، ۷، ۸، ۹ بوجہ تنگی وقت پڑھے نہ جا سکے،

۱۔ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد اپنے یہان اسلامی تاریخ کا مستقل شعبہ قائم کرین،

۲۔ اور اپنے یہان ترکی زبان کی تعلیم کا انتظام کرین،

۳۔ محکمۂ آثارِ قدیمہ حکومتِ ہند وغیرہ اسلامی آثارِ قدیمہ کی حفاظت کا بیش از بیش انتظام کرین، کتبات شائع کیے جائین، لاہور مین سلطان قطب الدین ایبک بادشاہ ہند اور نواب عبدالصمد خان وغیرہ صوبہ داران لاہور کے مزارات کو آثارِ محفوظ قرار دیا جائے،

۴۔ ہندوستان کی سب یونیورسٹیان، پنجاب یونیورسٹی، عثمانیہ اور مسلم یونیورسٹیان اپنے یہان کی قلمی کتابون کی شرح فہرستین مرتب کرین،

۵۔ یونیورسٹیان علم کتبہ شناسی کی تعلیم اور اس کے لئے وظائف کا انتظام کرین،

۶۔ حکومتِ ہند، صوبجاتی حکومتین اور ریاستین اپنے اپنے دائرۂ اثر مین قلمی کتابون کی جمع آوری کا انتظام کرین،

۷۔ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ عثمانیہ اعلیٰ پیمانہ پر تاریخِ اسلام اور تاریخِ ہند کی تدوین کا انتظام کرین، نیز علیگڈھ مین ایک عجائب خانہ آثارِ اسلامی کا قائم کیا جائے،

۸۔ فیڈرل سروس کمیشن اور صوبہ جاتی کمیشن اسلامی تاریخ کے مضمون کو مستقل حیثیت دین،

۹۔ پنجاب یونیورسٹی کے حکام سے دوبارہ مطالبہ کہ وہ اپنے یہان اسلامی تاریخ کا مستقل شعبہ قائم کرین،

۱۰۔ تمام یونیورسٹیون کے حکام اور قومی اور ملکی درسگاہین، اور ادارے اپنے زیرِ اثر عربی اور فارسی زبانون کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کرین،

۱۱۔ قرار پایا کہ سنٹرل کمیٹی مین آنریبل قاضی میر احمد خان، ملک خدا بخش خان، خان بہادر قلی خان، خان بہادر سعد اللہ خان، پروفیسر شیخ تیمور اور مسٹر ایس ایم جعفر کو بطور رکن شامل کیا جائے،

۱۲۔ طے پایا کہ پشاور مین کانفرنس کے ماتحت ایک مقامی سوسائٹی تاریخی تحقیق کے لئے قائم کی جا

جو علاوہ اور کامون کے ایک مستند اور محققانہ تاریخ افاغنہ مرتب کرے،

۱۳۔ جامعہ عثمانیہ اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اپنے زیرِ اہتمام اسلامی تاریخ کی تعلیم کے لئے اردو اور انگریزی مین موزون نصاب کی کتابین مرتب کرائین، اور اس سلسلہ مین اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ سے امداد کی درخواست کی جائے،

۱۴۔ حکومت سرحد سے مطالبہ کہ پشاور مین بھی ایک ریکارڈ آفس قائم کیا جائے،

۱۵۔ تمام اسلامی درسگاہین تاریخِ اسلامی کی ترویج و تشویق کے لئے وظائف دین،

۱۶۔ پنجاب یونیورسٹی مین اسلامی تاریخ کو بی اے مین پورا مضمون بنایا جائے، جو عہدِ مغلیہ کے ساتھ متبادل نہ ہو، بلکہ پورے ۱۰۰ نمبر کا مستقل مضمون ہو،

۱۷۔ طے پایا کہ کانفرنس اپنے مقاصد کی تبلیغ و اشاعت کے لئے نیز تحقیقی کام کی اشاعت کے لئے اپنا ایک رسالہ شائع کرے،

استفسار و جواب

لفظ اللہ کے معنی

اور

اسم اعظم کا تخیل

جناب اختر حسین نظامی ایم اے
لکچرار دربار انٹر کالج ریوا

جناب مولانا
السلام علیکم

آٹھ نو سال کا عرصہ ہوا جب علی گڈھ مین یونین کے کسی جلسہ مین زیارت نصیب ہوئی تھی اس وقت مین نے صوفی سلسلون کے متعلق اعظم گڈھ میں کیا ذخیرہ ہے، اس پر جناب سے ایک سوال کیا تھا غالباً یاد ہوگا، اس مضمون پر تقریباً چھ سات مہینے تک مین نے مطالعہ کیا، لیکن قسمت یہان تک آئی، اور اس کے بعد وہ کام آگے نہین بڑھ سکا، تاہم سلسلہ بالکل منقطع نہیں ہوا، اب بھی کوئی کام کی بات مل گئی، تو نوٹ کر لیتا ہون، آج کل ادھر کئی برسون سے دیوان گنگھیل خان پر کام کر رہا ہون،

سیرۃ النبی جلد چہارم مین لفظ اللہ کے معنی آپ نے "پیارا" لکھے ہین، حالانکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ اسم ذات ہے، اسم صفات نہین ہے چونکہ یہ لفظ اسلام سے پہلے کا ہے، یہ نام ہے ایک اعلیٰ ہستی کا جسکی صفات کا تخیل قدیم عربون مین نہین تھا، اس بات کی وضاحت آپنے بھی کر دی ہے، لیکن میرا گمان یہ ہے کہ اللہ کے معنی بیان کرنے کی کوشش بعد کے لغت نویسون کی ہے، میں تو اللہ کو یون سمجھتا ہون

جیسے قدیم آریون کا لفظ "اوم" جو رگ وید مین آیا ہے، اللہ کا مشتق تلاش کرنا، اہل لغت کی اپج معلوم ہوتی ہے، صوفیون کے ہان ایک مسئلہ اسم اعظم کا ہے جس کا چرچا جہلا مین زیادہ رہتا ہے، ان کا خیال ہے کہ اسم اعظم اسرار خفی مین سے ہے، جو حضرت مرشد کی خاص عنایت سے معلوم ہو سکتا ہے، اسے وہ مشکل کشا مانتے ہین، ہندوؤن مین گرو منتر دینے کا جو رواج ہے، غالباً اسی کی تقلید ہے، صوفیاے متقدمین کے زمانہ مین بھی لوگون کو اسی قسم کے وہم ہوتے تھے لیکن ان بزرگون نے اس کا جواب صاف یہی دیا کہ جس نام سے خدا کو پکارو وہی اسم اعظم ہے اور تعلیمات قرآنی کے عین مطابق ہے، حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی سے پوچھا گیا، تو اونھون نے فرمایا کہ "ہر اسمے کہ خداے تعالیٰ را بخوانی آن اسم اعظم است،" (فوائد الفواد) بعضون نے فرمایا کہ "اسم اعظم اللہ ہی ہے،" (قول حضرت محبوب سبحانی از قلائد الجواہر) متوسطین مین شاہزادہ دارا شکوہ فرماتے ہین "این اسمے است بس بزرگ و شامل کفر و اسلام جامع جمیع اسماء ہیچ چیز ازین اسم بیرون نیست و معنی این اسم اعظم اینست کہ ذات صاحب سہ صفت ایجاد و ابقا و افنا، و ہمہ آفرینش و ذرات موجودات ازین سہ صفت خارج نیست اما ازین معنی و سر این اسم اعظم کسے واقف نیست مگر بعضے از اکمل مشائخ بہ سبیل ندرت" (رسالہ حق نما ص ۱۰۹ مطبع قیومی کانپور) چنانچہ یہی نام صوفیہ کے اذکار و اشغال مین استعمال ہوتا ہے،

آنجناب اس مسئلہ پر میرے شکوک رفع کرین، تو ممنون ہونگا"

معارف: مکرم دام لطفہ،

السلام علیکم! خوشی ہوئی کہ آپ اب بھی علمی مشاغل مین مصروف ہین، لفظ اللہ کے اشتقاق کی بحث اہل لغت کے ہان بھی ہے، اور مفسرین و متکلمین و محدثین کے ہان بھی امام بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء والصفات کے ایک باب مین اس پر بحث کی ہے، اور منجملہ اور رایون کے ایک رائے یہ بھی نقل کی ہے کہ یہ ولاہ سے مشتق ہے، جس کے معنی اوس محبت کے ہین، جو مان کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے،

مزید تحقیق کے لئے لسان العرب اور نہایۃ ابن اثیر ملاحظہ فرمائین،

آپ نے میری سیرت جلد چہارم کا حوالہ دیا ہے، وہان کی عبارت یہ ہے:-

"اس لفظ کی لغوی تحقیق مین بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے، کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی اوس ہستی کے ہین جس کی پرستش کی جائے بعضون نے کہا ہے کہ وہ جس کی حقیقت و معرفت مین عقل انسانی حیران و سرگردان ہو، دوسرون کی تحقیق ہے کہ اوس کے معنی ہین، وہ جو اپنی مخلوقات کے ساتھ ایسی شفقت و محبت رکھے جو مان کو اپنے بچون کے ساتھ ہوتی ہے، اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنی پیار کرنے والے یا پیارے کے ہین،

آپ کی عبارت سے دھوکا ہوتا ہے کہ مین نے لفظ اللہ کے یہی ایک معنی لکھے ہین، حالانکہ مین نے متعدد اقوال نقل کر دیئے ہین، جن مین سے ایک یہ بھی ہے کہ سیرۃ کی اسی جلد کے دوسرے موقع (محبت الٰہی) پر خاکسار نے یہ بھی لکھا ہے:-

"ہر زبان مین اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لئے کچھ نہ کچھ الفاظ ہین جن کو کسی خاص تخیل اور نصب العین کی بنا پر مختلف قومون نے اختیار کیا ہے، اور گو اون کی حیثیت اب عَلَم اور نام کی ہے تاہم وہ درحقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیش نظر رکھکر استعمال کئے گئے تھے، ہر قوم نے اس علم اور نام کے لئے اوسی وصف کو پسند کیا جو اوس کے نزدیک اوس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی،

اسلام نے خالق کے لئے جو نام اور عَلَم اختیار کیا ہے وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اصل مین کس لفظ سے نکلا ہے، اس مین اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ وَلَاہٌ سے نکلا اور وَلَاہٌ کے اصل معنی عربی مین اوس غم، محبت اور تعلق خاطر کے ہین، جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق "عشق و محبت" کے معنی پیدا ہو گئے، اور اسی سے ہماری

زبان مین لفظ وَالِہ (شیدا) مستعمل ہے، اس لئے اللہ کے معنی "محبوب اور پیارے" کے ہین، جس کے عشق و محبت مین نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگردان متحیر اور پریشان ہین، حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ گنج مرادآبادی قرآن مجید کی آیتون کے ترجمے اکثر ہندی مین فرمایا کرتے تھے، اللہ کا ترجمہ وہ ہندی مین "من موہن" یعنی دلون کا محبوب کیا کرتے تھے۔" (صفحہ ۵۲۳)

آپ کا یہ کہنا کہ مین تو لفظ اللہ کو یون سمجھتا ہون، جیسے قدیم آریون کا لفظ "اوم" جو رگ وید مین آیا ہے، آپ کا مقصد گو یہ ہے کہ جس طرح ہندوؤن کے لفظ اوم کا کوئی مشتق منہ سنسکرت مین نہین، اسی طرح اللہ کا لفظ بھی کوئی مشتق منہ نہین رکھتا، اور ایک اسم جامد ہے، جو صرف خدا کے علم کے لئے وضع ہوا ہے، تاہم اس تشبیہ سے مجھے گرانی ہوئی، آپ کا نفس خیال تو عام ابتدائی فلسفیانہ و منطقیانہ کتابون مین مذکور ہے، اور بڑی کتابون مین بھی ہے، امام رازی تفسیر کبیر مین لکھتے ہین:-

المختار عندنا ان هذا اللفظ	ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ لفظ
اسم علم لله تعالى وانه	اللہ اسم علم ہے، اور یہ مشتق نہین ہے،
ليس بمشتق البتة وهو قول الخليل وسيبويه	یہی قول خلیل، سیبویہ اور اکثر اصولیین اور
وقول اكثر الاصوليين والفقهاء (تفسير كبير اول ص ۱۲۱)	فقہاء کا ہے،

پھر امام رازی نے اس مسلک پر چند دلیلین قائم کی ہین، اس کے بعد ان لوگون کی رائے لکھی ہے جو اس کو مشتق مانتے ہین، ان کے دلائل ذکر کئے ہین، پھر اختصار کے ساتھ ان کا رد لکھا ہے،

بہرحال یہ دونون رائین ہین، اور دونون کے کہنے والے اور ماننے والے ہین، اور دونون کے پاس اپنے اپنے دلائل ہین، لیکن آج کل کے محققین علم الاشتقاق نے یہ بات واضح کی ہے، کہ کوئی لفظ اپنی اصل وضع مین کسی مناسب معنی کے بغیر نہین ہے، گو مرور زمانہ اور لفظ کی ابتدائی شکلون کے فراموش ہو جانے سے

یا مختلف زبانون مین اوس کے الٹ پھیر ہو جانے کی وجہ سے اس کی اصلیت باقی رہی، اور نہ اوس کی مناسبت کا ہم کو پتہ چلتا ہے، چنانچہ یہی لفظ اللہ ہے، جس کی مختلف شکلیں، مختلف سامی زبانون میں ملتی ہین، جیسے ایل ایلیا اور اسرائیل وغیرہ مین یا لفظ الوہ مین ملتی ہے، توراۃ کے شروع مین الوہیم آیا ہے، تفصیل کے لئے ارض القرآن کی دوسری جلد مین "مذاہب عرب قبل اسلام" دیکھئے، (ص ۲۴۴، ۲۴۵) اس سے معلوم ہو گیا کہ ایل اور الوہ کے الفاظ معبود کے معنی مین اکثر سامی زبانون مین بولے گئے ہین، قدیم عربی زبان مین عرب معبود کا نام ہیرو ڈوٹس یونانی مورخ کے بیان کے مطابق الیلات تھا کیا عجب کہ زمانہ بعثت کے جاہل عربون کے مشہور دیوتا اللات کی اصل یہ عربی زبان مین اہل لغت نے لکھا ہے، کہ اہل عرب آفتاب دیوی کو الاہتہ، "اُلٰھتہ" کہتے تھے، اور اس کی مختلف شکلیں نقل کی گئی ہین، الایھہ الِاٰلھہ، الاَلھہ، اُلٰھہ سب کے معنی آفتاب کے ہیں، جس کی پرستش بعض اہل عرب میں رائج تھی، جیسا کہ قرآن پاک مین ہے،

لا تسجدوا للشمس والقمر واسجدوا — آفتاب و ماہتاب کے سامنے سجدہ نہ کرو

للہ الذی خلقھن، — اس اللہ کا سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا،

قرآنی تعریفون اور قدیم کتبات سے یہ بات ثابت ہے،

قدیم عربی مین لاھُمَّ اور اللّٰھُمَّ کے جو لفظ بولے گئے ہین، اور دوسرا لفظ اب بھی بولا جاتا ہے، وہ بھی اسی سامی اشتقاق کی صورت ہے،

قرآن پاک مین معبودان باطل کے لئے "اٰلھتہ" کا لفظ بصورت جمع جس کا واحد الٰہ ہے، بکثرت بولا گیا ہے، جیسے اذاً لذھب کل الٰہ بما خلق ءَ الٰہ مع اللہ لو کان فیہ الھتہ، اور جیسا کہ کلمۂ اسلام لا الٰہ الا اللہ مین ہے، اس سے تو اتنا ثابت ہو گیا، کہ عربی زبان مین سامی زبانون کی طرح "الٰہ" کا لفظ معبود اور قابل پرستش کے معنون مین ہے، اس سے ان لوگون کے خیال کا ابطال ہو جاتا ہے، جو اللہ کو محض اسم جامد غیر مشتق اور اسم علم کے علاوہ دوسرے معنون کیلئے غیر موضوع سمجھتے ہین، اور یہ تفریق معلوم ہوئی کہ الٰہ مطلق معبود کے معنی مین

الف لام لگ کر الالٰہ یا اللہ معبود برحق کے معنی مین قدیم زمانہ سے عربون مین رائج ہے، اور بے معنی اسم جامد اور محض اسم علم نہین ہے،

اسم اعظم کے متعلق ہمارے مفسرین نے اسرائیلیات سے لیکر ایک ہی جگہ تذکرہ کیا ہے اور وہ ملکۂ سبا کے قصہ مین ہے، جہان حضرت سلیمانؑ کے ملکۂ سبا کے تخت منگوانے کا ذکر ہے، اس موقع پر الّذی عِندَہٗ عِلمٌ الکتاب (نمل) کسی نے توراۃ مراد لیا ہے، اور کسی نے اسم اعظم، لیکن اس کے متعلق ارض القرآن جلد اول ص ۲۰۰ میں مین نے لکھا تھا،

"اسم اعظم کا تخیل ایک جاہلانہ اور غیر ثابت الشرع تخیل ہے، اسلام کے رو سے یہ کوئی شئے نہین ہے البتہ یہودیون مین یہ خیال اب تک موجود ہے"

مجھے اب تک اوس کے خلاف معلوم نہین اور اب تک احادیث سے یہ ثابت ہے اور قرآن پاک سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے، کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے تمام نامون کا علم نہین بخشا گیا ہے، چنانچہ ابن حبان، حاکم، ابو یعلیٰ، ابن ابی شیبہ، طبرانی کے حوالہ سے ایک دعا منقول ہے، جس مین فرمایا

اسئالک بکل اسم ھو لک سمیت — تیرے ہر اوس نام کے ذریعہ تجھ سے سوال

بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او — کرتا ہون، جس سے تو نے اپنا نام رکھا ہے

علمتہ احداً من خلقک او — یا تو نے اپنی کتاب مین نازل فرمایا ہے، یا اپنی

استاثرت بہ فی علم الغیب عندک — مخلوق مین سے کسی کو بتایا ہے، یا اپنے پاس علم غیب میں پوشیدہ رکھا ہے،

الاسماء والصفات بیہقی مین ایک حدیث ہے، جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہین،

قالت یا رسول اللہ علمنی اسم اللہ — حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

الذی اذا دعی بہ اجاب قال لھا — یا رسول اللہ مجھکو اللہ تعالیٰ کا وہ نام بتائیے

صلی اللہ علیہ وسلم قومی فتوضی وادخلی المسجد فصلی رکعتین ثم ادعی حتی اسمع ففعلت فلما جلست للدعا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم وفقھا فقالت اللھم انی اسئلک بجمیع اسمائک الحسنی کلھا ما علمنا منھا وما لم نعلم و اسئلک باسمک العظیم الاعظم الکبیر الاکبر الذی من دعاک به اجبته ومن سالک به اعطیته قال یقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصبته اصبته

(صعث)

کہ جب اوس کو لے کر دعا مانگی جائے تو قبول ضرور ہو، حضور ؐ نے فرمایا، اٹھو وضو کرو مسجد مین جاؤ، اور دو رکعت نماز پڑھو، پھر دعا مانگو، یہان تک کہ مین سنون حضرت عائشہ ؓ نے ایسا ہی کیا، جب دعا کے لئے اٹھین تو حضور ؐ نے فرمایا، کہ خداوندا ان کو توفیق دے، حضرت عائشہ ؓ نے دعا مین فرمایا کہ خداوندا مین تیرے تمام اچھے نامون کے ذریعہ دعا مانگتی ہون، جو ہم کو معلوم ہین اور جو نہیں معلوم ہین، اور تیرے اس بڑے نام کے ذریعہ مانگتی ہون، کہ جو بھی اس کے ذریعہ مانگے تو اسکی دعا ضرور قبول فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا،

اس مین بھی اسم اعظم بطور صفت کے ہے علم کی حیثیت نہین معلوم ہوتی، البتہ یہودیون مین یہ خیال پرانا ہے، چنانچہ ان کے یہان خدا کا اصلی نام "یہواہ" ہے، مگر لکھتے یہواہ ہین، اور پڑھتے سیدنا (ادونای) ہین، اور اون کا خیال ہے، کہ حضرت سلیمان ؑ کو یہی اسم اعظم معلوم تھا جس کے ذریعہ سے وہ جن و بشر پر بادشاہی کرتے تھے، لیکن قرآن پاک اور احادیث مین اس کا کوئی بیان نہین ہے،

والسلام

"س"

بوہرے

جناب محمد علی صاحب
بتوسط ایم عبد الحسین اینڈ برادرس پرانی منڈی اجمیر

السلام علیکم:- فرقہائے اسلام سے ایک فرقہ قوم "بواہر یا بوہرہ" کے نام سے مشہور ہے، یہ لوگ زیادہ تر ہندوستان کے مغربی سواحل بمبئی سورت وغیرہ مقامات اور مالوہ گجرات کے صوبون مین زیادہ پائے جاتے ہین اسی قوم کے چند افراد راجپوتانہ مین خاصکر کے اودیپور میواڑ مین بہت ہین یہان اجمیر مین قریبًا سو گھر ہین، یہ لوگ مذہبی نقطۂ نگاہ سے اپنے عقیدون مین راسخ واقع ہوئے ہین، ایک صاحب میرے مکان کے قریب رہتے ہین، چنانچہ دلچسپی کا سبب بنے ہوئے ہین، لہذا مین چاہتا ہون کہ ان لوگون کی پوری تاریخ سے واقفیت حاصل کرون یہ فرقہ کہان سے عام اسلامی شاخ سے علحدہ ہوا، آیا یہ ہندوستان ہی کی پیداوار ہے یا ان کے مبلغ ایران یا عراق وعرب سے یہان آئے، یہ اپنے کو شیعہ کی ایک شاخ بتاتے ہین آج سے غالبًا آٹھ دس برس پہلے رسالہ معارف مین میری نظرون سے ایک اشتہار چھپا ہوا گذرا تھا جس مین اس قوم کی پوری تاریخ لکھنے کا اعلان تھا، وہ کتابی صورت مین شائع ہونے والی تھی، غرض مجھے کوئی جامع اور صحیح تاریخی کتاب کی ضرورت ہے جو اردو مین چھپی ہوئی ہو، اگر آپ کے مطبع نے شائع کی ہو تو بذریعہ وی پی پارسل ارسال فرمادین یا کتاب اور جگہ کا پتہ جہان مل سکتی ہو، تحریر فرمادین، عین نوازش ہوگی، فقط

معارف:- محترم زاد لطفکم

السلام علیکم آپ کا گرامی نامہ متعلق استفسار فرقہ بوہرہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ، اون کی مختصر سرگذشت یہ ہے:-

مصر کے فاطمی خلفا مین سے آگے چل کر ایک خلیفہ الحاکم بامر اللہ ہوا، جس کے دو بیٹے ہوئے نزار اور علی الظاہر لاعزاز دین اللہ، اسی طرح فاطمی اسماعیلی، امامت دو حصون مین منقسم ہو گئی، ایک نزاری اور دوسرے ظاہری، ظاہر لاعزاز دین اللہ مصر کا خلیفہ ہوا، اور آخریہ امامت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھون ختم ہوئی، اس سلسلہ کے لوگ آج ہندوستان مین بوہرے کہلاتے ہین، اور نزاری کی بنا حسن بن صباح نے کوہستان ایران مین ڈالی اور قلعہ الموت مین باطنی حکومت کی بنیاد استوار کی، جس کا خاتمہ ہلاکو خان تاتار کے ہاتھون سے ہوا، اس سلسلہ کے امام ہز ہائنس سر آغا خان ہین، اور اول الذکر سلسلہ کے موجودہ امام طاہر سیف الدین ہین،

"بوہرہ" گجراتی زبان کے لفظ "وہور" سے نکلا ہے، جس کے معنی تاجر کے ہین، اور بعض محقق اسکو عربی الاصل کہتے ہین، مغربی ہند مین یہ جماعت صرف مسلمانون پر مشتمل نہین، بلکہ ان مین ہندو بوہرے بھی ہین، چونکہ اس جماعت کے بہت سے لوگ اسی فرقہ اسماعیلی مین داخل ہو کر مسلمان ہوئے، اس لئے اس مسلم جماعت کا نام بھی "بوہرہ" عرف عام مین پڑ گیا، چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری مین ۶۶۵۲ ہندو، اور ۵۷ جینیون نے اپنے کو بوہرہ جماعت مین سے قرار دیا ہے، اور اسی سال کی مردم شماری کے رو سے مسلمان بوہرون کی تعداد ۱۳۷۵۵۰ ہے جن مین سے ۱۸۳۰۷ بمبئی پریسیڈنسی مین رہتے ہین، ان مین سے کچھ بوہرے اپنا تعلق عرب و مصر کے مہاجرین سے بتاتے ہین، ورنہ ان مین کی بڑی جماعت ان ہندو بوہرون پر مشتمل ہے، جو اسماعیلیون کے ہاتھون پر اسلام مین داخل کئے گئے ہین،

ہندوستان سے ان اسماعیلی بوہرون کا تعلق سنہ ۴۶۰ھ/۱۰۶۷ء سے پیدا ہوا، جب کہ ان مین کا ایک شخص عبد اللہ نامی یمن سے کھنبایت مین آیا، لیکن یہان ان کے مبلغ اول کی حیثیت سے محمد علی کا نام لیا جاتا ہے، جن کا زمانہ سنہ ۵۳۲ھ/۱۱۳۷ء کے قریب ہے، اور اس کا مقبرہ کھنبائت مین موجود ہے، سنہ ۱۲۵۰ء سے گجرات دلی کے ماتحت آگیا، اور سنہ ۱۲۹۷ء سے سنہ ۱۵۷۳ء تک یہان خود مختار اسلامی سلطنت رہی، اسی اثنا مین سنہ ۹۴۶ھ یعنی ۱۵۳۹ء تک ان

بوہرون کا مرکزی تعلق یمن سے وابستہ رہا، یہان تک کہ اسی سال سنہ ۹۴۶ھ مین یوسف بن سلیمان ہندوستان آیا، اور اوس نے سیدھ پور مین جو ان دنون ریاست بڑودہ مین ایک شہر ہے، اقامت اختیار کی، پچاس سال کے بعد سنہ ۱۵۸۸ء مین داؤد بن عجب شاہ کی وفات پر بوہرون مین دو فرقے ہو گئے، ایک جماعت نے اوس کے جانشین داؤد بن قطب شاہ کو منتخب کیا، اور دوسرے نے سلیمان کو جانشین بنایا، سلیمان اس وستاویز کے ساتھ گجرات آیا، جو اُسے داؤد بن عجب شاہ سے ملی تھی، مگر یہان بہت تھوڑے سے لوگ اوس کی امامت قبول کر سکے، اوس نے احمد آباد مین اقامت اختیار کی، اس طرح بوہرون کے دو فرقے قرار پائے، ایک داؤدیہ دوسرا سلیمانیہ، مگر موخر الذکر فرقہ کی بہت تھوڑی تعداد رہ سکی، فرقہ داؤدی کے لوگ تقریبًا ۱۳۰۰۰۰ مین، اون کا امام جو "ملا" یا "داعی" کہا جاتا ہے، سورت مین اقامت گزین ہے،

فرقہ داؤدیہ کے امام کا فیصلہ: مذہبی و معاشرتی جملہ مسائل مین اوس کے پیروؤں کے لئے حکم ناطق ہوتا ہے، وہ ان کو سزائین بھی دیتا ہے، اور ہر پیرو کے لئے اپنی آمدنی کا پانچوان حصہ امام کی نذر کرنا ضروری ہے، نیز دیگر متعین مواقع شادی اور ولادت وغیرہ پر مختلف نذرین پیش کی جاتی ہین، فرقہ داؤدیہ کی تنظیم پورے طور پر مکمل ہے، نائب ملا یا نائب دعاۃ مختلف علاقون مین مامور ہین، جو تحصیل وصول و اصلاح و تنظیم مین شریک رہتے ہین،

سنہ ۱۶۲۴ھ اور سنہ ۱۷۸۹ء مین داؤدیون کے اندر بھی چند جماعتین پیدا ہوئین، اور وہ اپنی تاریخ پیدائش کی مختلف تفصیلات سے متعلق اپنے ان عقائد و یقینیات کے ساتھ اب بھی موجود ہین،

نیز بوہرون کی ایک جماعت "جعفری بوہرہ" بھی کہی جاتی ہے، یہ وہ بوہرے ہین، جو مظفر شاہ کے عہد حکومت (سنہ ۱۴۰۷ء - سنہ ۱۴۱۱ء) مین سُنّی ہو گئے تھے، یہ لوگ پندرہوین صدی عیسوی کے ایک شیخ طریقت سید احمد جعفر شیرازی کی طرف منسوب ہین، جنھون نے غالبًا انھین شیعیت سے نکال کر مذہب اہل سنت مین داخل کیا تھا،

داؤدی بوہرون کی مذہبی کتابین مستور رکھی گئی ہین، صرف عبادات کی بعض کتابین مثلاً صحیفۃ الصلوٰۃ چھپ سکی ہے،

دائم الاسلام اور الحقائق ان کی مذہبی کتابین ہین جن مین بوہرہ دعاۃ کے اقوال سے اسلام کو سمجھایا گیا ہے، بوہرون کے موجودہ امام ملا طاہر سیف الدین کی ایک تصنیف "ضوء نور الحق المبین" کے نام سے ۱۳۳۵ھ مین عربی زبان مین چھپ کر شائع ہوئی تھی، اس کتاب پر ہندوستان کے اسلامی پریس مین شدید ہنگامہ اٹھا، اور ان تحریرون کو جناب حاجی عمر حاجی احمد تاجر سورت نے جمع کرا کر ایک مستقل کتاب سیف بردین کے نام سے شائع کیا تھا،

سلسلۂ گفتگو کے تتمہ کے طور پر آغا خانی جماعت کے متعلق بھی عرض کر دیا جائے کہ ہندوستان سے اس جماعت کی امامت کا تعلق امام حسن علی شاہ معروف بہ آغا خان اول کے ورود ہند سے ہوتا ہے، جو ۱۲۵۰ھ مین فتح علی شاہ ایران کے انتقال کے بعد ہندوستان آئے، اور انگریزی حکومت نے بعض خدمات کے صلہ مین ان کو ہاتھون ہاتھ لیا، بمبئی اس کا صدر مقام قرار پایا، موجودہ امام سر آغا خان سوم ہیں اور اپنے سلسلۂ امامت کے لحاظ سے ۴۸ وین امام ہین،

بوہرون کے متعلق ہمارے علم مین اردو مین کوئی مستقل کتاب ابھی تک شائع نہین ہوئی خوجہ یعنی آغا خانی جماعت کے حالات ہفتہ وار صحیفہ اسماعیلی بمبئی کے گولڈن جوبلی نمبر مین مختصراً دیکھنے مین آئے تھے، خوجہ اور بوہرہ دونون جماعتون پر انسائکلوپیڈیا آف اسلام مین آپ کو کسی قدر حالات مل جائین گے تفصیل کے لئے اس کی طرف رجوع کرین،

مولانا سید ابو ظفر ندوی نے بوہرون پر ایک مستقل کتاب اردو مین لکھی ہے، جو ابھی تک شائع نہ ہو سکی ہے، اس کے ایک باب کا ترجمہ اسلامک کلچر حیدرآباد مین ۱۹۳۵ء مین چھپا تھا، مولانا موصوف سے انگلو ورناکیولر سوسائٹی گجرات احمدآباد کے پتہ سے مزید معلومات آپ حاصل کر سکتے ہیں، والسلام "ر"

ادبیات

پیامِ اقبال

از

جناب نکہت شاہجہانپوری

خرمنِ عقل و ہوش مین آگ سی اک لگائے جا ۔۔۔ کشمکشِ حیات پر برقِ عمل گرائے جا
سوزِ درون بڑھائے جا قلب و جگر جلائے جا ۔۔۔ شمعِ حیاتِ کُل ذکرِ عشق کی لو لگائے جا
تیرے جہانِ سوز مین طور کی بجلیان بھی ہین ۔۔۔ ذوقِ تجلیات سے روح کو جگمگائے جا
ساغرِ گل کی مستیان وجہِ نشاط بن چکین ۔۔۔ بادۂ تلخکام سے تشنہ لبی بجھائے جا
مقصدِ زندگی مگر کشمکشِ حیات ہے ۔۔۔ لالہ و گل کے رنگ سے خونِ جگر پلائے جا
قیدِ تعینات مین لیلیِٰ آرزو کہان ۔۔۔ دشتِ جنون نوازمین گامِ طلب اٹھائے جا
تابِ نظارہ گر نہ ہو حسرتِ دید ہی سہی ۔۔۔ شوقِ تجلیات مین حسنِ نظر بڑھائے جا
تیرے سجود پر مگر عرش برین کو ناز ہو ۔۔۔ غیرِ خدا کے سامنے سر کو نہ یون جھکائے جا
اٹھی ہین سمتِ غرب سے کفر و بلا کی آندھیان ۔۔۔ عشق کا شعلہ زار بن شمعِ خرد بجھائے جا
قیدِ حیات[1] و بندِ غم، شعبدۂ خیال ہے ۔۔۔ تو غمِ زندگی نہ بن موت پہ مسکرائے جا

صاحبِ بالِ جبرئیل اف یہ تری نوازشین
نکہتِ پُر خمار کو جامِ خودی پلائے جا

---

[1] تلمیح بہ طرف شعر غالب، "قیدِ حیات و بندِ غم اصل مین دونون ایک ہین" الخ

سرشارِ خراب

از جناب آرش صدیقی

خوب ہے ذوقِ نظر حسنِ حجاب اچھا ہے
دل ہو بیدار تو ہر خوابِ شباب اچھا ہے

نہ یقین ہو تو اسی نرگسِ مخمور سے پوچھ
عشق جتنا بھی ہو سرشارِ خراب اچھا ہے

کچھ بھی ہو حیرتِ نظارہ کہ تمکینِ جمال
حسن ہر رنگ مین مانوسِ حجاب اچھا ہے

سازِ ناہید فلک ہو کہ دلِ بشکستہ
در دِ مضراب ہو جس کی وہ رباب اچھا ہے

ماورا عالمِ اسباب سے ہے عالمِ عشق
سب سوالون کا یہی ایک جواب اچھا ہے

اک نگاہِ غلط انداز ہے جس کا عنوان
لاکھ بیداریِ عالم سے وہ خواب اچھا ہے

زندگی حرفِ غلط ہے رخِ محبوب آرش
ورنہ یون مشغلۂ علم و کتاب اچھا ہے

غزل

از جناب شفیق صدیقی جونپوری

چمن سے قفس تک دھوان دیکھتا ہون
نشیمن کی چنگاریان دیکھتا ہون

یہ محدود سی شے اور اتنی رسائی
مقامِ دلِ ناتوان دیکھتا ہون

تری عظمتِ کبریائی کے آگے
خودی کو بھی سجدہ کنان دیکھتا ہون

جہان طائرِ سدرہ اڑ کر نہ پہنچے
قلندر کی منزل وہان دیکھتا ہون

یہ ہے اوجِ آدم کہ نقشِ قدم پر
فرشتون کی پیشانیان دیکھتا ہون

محبت نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
یہ شے حاصلِ دو جہان دیکھتا ہون

جہان حسن کی بے نیازی بھی گم ہو
وہان عشق کو حکمران دیکھتا ہون

شفیقِ سخنور جو ننگِ وطن تھا
اُسے فخرِ ہندوستان دیکھتا ہون

مطبوعات جدیدہ

تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اول، مرتبہ جناب ڈاکٹر محی الدین صاحب زور قادری معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اردو تقطیع بڑی ضخامت ۳۹۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد:۔عمر

پتہ:۔ سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدرآباد دکن،

ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد اردو زبان کی جو مختلف النوع مفید خدمات انجام دے رہا ہے، وُہ باخبر اصحاب سے مخفی نہین، اس سلسلہ مین اوس نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا ہے، جس کے مخطوطات کی تعداد کئی ہزار تک پہونچ گئی ہے، ان مین بہت سے نادر اور تاریخی مخطوطے بھی ہین، ادارہ کے لائق کارکنون نے اب اس کتب خانے میں مخطوطات کی فہرست کی ترتیب کا کام شروع کیا ہے، چنانچہ اس کے فاضل معتمد ڈاکٹر محی الدین صاحب زور نے اردو مخطوطات کی پہلی جلد مرتب کی ہے، اس مین مذہبیات: قرآن وحدیث، فقہ و تصوف، مواعظ و نصائح، ادعیہ و مناجات، سیر و مناقب نبوی، اہل بیت وصحابۂ کرام اور دوسرے بزرگان دین کی سوانح و فضائل اور سلاطین و امراء کے حالات، منظومات، قصص وحکایات، لغت، عروض و انشا، طب، اور بعض عقلی علوم کے ۲۰۵ مخطوطات کی مفصل فہرست ہے، جن مصنفین کے حالات معلوم ہو سکے ہین، ان کے مختصر حالات مخطوطہ کی کیفیت تصنیف وکتابت کے سنین کتاب کے شروع و آخر کی عبارت یا اشعار ہر کتاب کے متعلق ضروری معلومات دیدیئے ہین، لیکن مخطوطات خصوصاً غیر معروف مصنفین اور ان کی تصانیف کی فہرست کی ترتیب کا کام اتنا دشوار ہے، کہ اس سے پوری طرح عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے تاہم لائق مرتب نے ہر کتاب کے متعلق حتی الامکان ضروری اور صحیح معلومات جمع کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی یہ کوشش اس حیثیت سے

زیادہ قابلِ قدر ہے کہ اس فہرست کے ذریعہ اردو کے بہت سے نادر مخطوطات کا علم شائقین کو ہوجائے گا، کتاب کے آخر مین اسمار اور اشخاص کے اعلام کا اشاریہ بھی دیدیا ہے، جس سے تصانیف اور مصنفین کی تلاش مین سہولت پیدا ہوگئی ہے، امید ہے کہ دوسری جلد بھی جلد شائع ہو گی،

دورِ جدید کے چند منتخب ہندو شعرا } از جناب عبد الشکور صاحب ایم اے، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲؍، پتہ:- کتاب خانہ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ،

اردو زبان کی تعمیر و ترقی مین ہندو مسلمان دونون کا مساوی حصہ ہے، اور کوئی دور ایسا نہین گذرا ہے جس مین مسلمانون کے ساتھ اردو زبان اور شعر و ادب کے ہندو اہلِ کمال موجود نہ رہے ہون، اور بعض جماعتون کی جانب سے اردو کی مخالفت کے باوجود آج بھی اردو زبان کے ہر شعبہ مین ایسے ہندو اہلِ کمال موجود ہین، جن کا درجہ کسی طرح مسلمانون سے کم نہین ہے، اردو شعرا کے تذکرہ نگارون کی یہ بڑی فروگذاشت ہے، کہ انھون نے مسلمان اہلِ کمال کے مقابلہ مین ہندو اصحابِ کمال کا تذکرہ کم لکھا ہے، اس لئے اس کی بڑی ضرورت تھی کہ اردو شعر و ادب کی کتابون مین ان کے خدمات کا پورا اعتراف کیا جائے، اور اس کے مطابق ان کو جگہ دیجائے، لائق مؤلف نے مذکورۂ بالا کتاب لکھکر ایک حد تک یہ فرض انجام دیا ہے، اس مین رتن ناتھ سرشار اور جوالا پرشاد برق کے زمانہ سے لیکر موجودہ دور تک نو متوفی اور بائیس موجود ممتاز ہندو شعرار کے مختصر حالات لکھے ہین، ان کے کلام پر تبصرہ کیا ہے، اور اس کا نمونہ دیا ہے، لیکن اس کتاب میں صرف ممتاز و مشاہیر شعرار کے حالات ہین، اگر اس کو اور وسعت دیجائے تو یہ تعداد اور زیادہ بڑھ سکتی ہے، لائق مؤلف کی یہ کوشش قابلِ قدر ہے، انھون نے یہ کتاب لکھکر ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا، اور اہلِ قلم کو ایک ضروری موضوع کی طرف متوجہ کر دیا، ممکن ہے آیندہ کوئی صاحبِ قلم اس موضوع پر اس سے زیادہ وسعت و جامعیت کے ساتھ لکھنے کی کوشش کرین،

مشاہیر یونان و روما جلد اول، مترجمہ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی تقطیع بڑی،

ضخامت ۴۴۸ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، غیر مجلد ؛- عہ پتہ:- انجمن ترقی اردو ہند، دہلی،

حکیم پلوٹارک یونانی کی مشہور کتاب Parallel Lives دنیا کی اہم کتابون مین سے ہے، اس مین یونان و روما کے ایسے مختلف اصنافِ کمال کے چھیالیس اکابر اور نامور اشخاص کے حالات ہین، جو اپنے اخلاق و سیرت کی بلندی قوم و ملک کے لئے ایثار و جانبازی اور اپنے زندہ جاوید کارنامون کے لحاظ سے ساری دنیا کے لئے نمونۂ عمل تھے، اور جن کی مثال نے یورپ کے بڑے بڑے مصلحین کو متاثر کیا، اور انھون نے جدید یورپ کی تجدید و اصلاح کے سلسلہ مین کارہائے نمایان انجام دیئے، یہ اہم کتاب اردو مین ترجمہ کے لائق تھی، انجمن ترقی اردو نے آج سے تقریباً پچیس سال پیشتر مشاہیر یونان و روما کے نام سے اس کی پہلی جلد کا ترجمہ شائع کیا تھا اب اوس نے پوری کتاب کا ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، اس سلسلہ مین پہلی جلد کے ترجمہ پر نظرِ ثانی اور ترمیم کرکے اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا ہے، اس جلد مین آٹھ مشاہیر کے حالات ہین، کتاب کے شروع مین فاضل مترجم کے قلم سے قدیم یونان و روما کی مختصر تاریخ ہے جس سے کتاب کے اشخاص کے حالات کے سمجھنے مین مدد ملتی ہے، ترجمہ کی خوبی کے لئے لائق مترجم کا نام کافی ہے، اس کتاب کی مکمل اشاعت کے بعد اردو مین ایک اہم کتاب کا اضافہ ہوگا،

تعلیم کا مسئلہ، از جناب ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی پروفیسر ریاضی جامعہ عثمانیہ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۷۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت:- عہ پتہ مکتبہ درس کتاب گھر خیرت آباد حیدرآباد دکن،

حکومت نے اپنے مصالح کے اعتبار سے ہندوستان کا نظام تعلیم ایک خاص نہج کا بنایا تھا، جو نہ صرف قومی اور ملکی بلکہ خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی اتنا ناقص اور تعلیم کے اصلی مقاصد سے اتنا دور ہے، کہ وہ ملک کے لئے مفید اور کارآمد تعلیم یافتہ اشخاص پیدا نہیں کرسکتا اور یہ مسئلہ اتنا مسلم ہو چکا ہے کہ ہندوستان کے قومی ماہرین

تعلیم کے لئے بھی لائق غور بنا ہوا ہے، جناب ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے اس کتاب مین صحیح تعلیمی اور قومی و ملی نقطۂ نظر سے مسئلہ تعلیم پر بحث کرکے مسلمانون کے نظام تعلیم کا خاکہ پیش کیا ہے، اور تعلیم و تربیت کی اصلی غرض و غایت ظاہر کرکے موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دکھائے ہین، اور قومی و ملکی ضروریات کے مطابق ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تینون تعلیمی مدارج کا نظام اور نصاب پیش کیا ہے، اور جامعات کے شعبۂ فنون کی موجودہ تقسیم کے متعلق بعض تجویزین پیش کی ہین، اس خاکہ مین مسلمانون کی تعلیم کا کوئی اہم اور ضروری پہلو چھوٹنے نہین پایا ہے، اور ملی، ملکی اور مذہبی ہر نقطۂ نظر سے تعلیم کے تمام اجزاء و عناصر اور تعلیم سے متعلق دوسرے ضروری مسائل پر بڑی سنجیدگی اور اعتدال و توازن کے ساتھ بحث کی گئی ہے، اور نصاب مین ان سب کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، یہ کتاب مسلمانون کی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب، اساتذۂ آزادی پسند نوجوان طلبہ اور ان کے غلط بین والدین سب کے مطالعہ کے لائق ہے، اگرچہ یہ کتاب مسلمانون کی تعلیم پر لکھی گئی ہے لیکن بیشتر تعلیمی مسائل ہندو مسلمان دونون کے مشترک ہین، اس لئے یہ کتاب دونون قومون کے لئے مفید ہے گو یہ ایک مختصر رسالہ ہے لیکن اپنے مغز کے اعتبار سے طویل کتابون سے بھی بہتر ہے،

روح القرآن، مؤلفہ جناب فیروز الدین خان، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور،

اس کتاب کا مقصد مسلمانون مین اسلامی امارت اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی تبلیغ ہے، تمہید مین مصنف نے توحید، یوم آخرت، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقصد، کلام مجید کی اہمیت و ضرورت، اس کے آخر الکتب ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے مسائل پر مختصر روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد عقائد، عبادات، اخلاق و معاملات اور انسانی معاشرت کے دوسرے مسائل اور حکومت کے بارہ مین کلام مجید کے احکام و تعلیمات اور اس کے اوامر و نواہی کی آیات کا ترجمہ پیش کیا ہے، اور سیرت نبوی اور سیرت خلفائے راشدین اور ان دونون زمانون کے واقعات سے اسلامی تعلیمات کے اثرات و نتائج دکھائے ہین، اور اسلامی حکومت

کا نصب العین بتا کر قرآن پاک سے مسلمانون کی غفلت دکھائی ہے، اور مسلمانون کی تنظیم و اسلامی امارت کی مذہبی اہمیت واضح کرکے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی جماعتِ اسلامیہ مین شامل ہونے کی ترغیب دی ہے، ان مباحث کے ضمن مین اور بھی بہت سے مفید مذہبی معلومات آگئے ہین، اس کتاب مین کلام مجید کی بہت سی تعلیمات یکجا کردی گئی ہین، اس لئے عام مسلمانون کے لئے مفید ہے، لیکن غالباً مصنف نے کتاب کی ترتیب مین اصل عربی ماخذون کے بجائے زیادہ تر اردو تصانیف سے مدد لی ہے، اس لئے ان کی نگاہ سے بہت سے تاریخی گوشے مخفی رہ گئے ہین جس کا اندازہ کتاب کے بعض مندرجات سے ہوتا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہین "ابوذر ایک متمول صحابی تھے، (ص ۸۰)" جو صحیح نہین ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ تو سرمایہ داری کے سخت خلاف تھے، وہ کل کے لئے کچھ اٹھا رکھنا گناہ سمجھتے تھے، اور عمر بھر اس کی تبلیغ کرتے رہے، اس سلسلہ مین مؤلف نے غلامون کی تحقیر اور ان کو مارنے کا جو واقعہ ان کی جانب منسوب کیا ہے وہ بھی ان کی مساوات پسندی سے بعید ہے، معلوم نہین کہان سے نقل کیا ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ تو غلامون کے ساتھ کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے، جو خود کھاتے اور پہنتے تھے، وہی غلامون کو کھلاتے اور پہناتے تھے، یا ایک مقام پر لکھتے ہین "سنہ ۹۹ھ مین ایک شخص عمر بن عبد العزیز کو مسلمانون نے خلیفہ منتخب کیا" اس انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی جلالتِ شان سے ناواقف ہین، اس قسم کی بعض اور فروگذاشتین بھی ہین لیکن ان سے قطع نظر کتاب عام مسلمانون کیلئے مفید ہے، اس کا بڑا حصہ دار المصنفین کی سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ سے ماخوذ ہے،

الف لیلۃ و لیلۃ حصہ سوم، مترجمہ ڈاکٹر ابو الحسن منصور احمد صاحب مرحوم سابق پروفیسر عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، تقطیع بڑی ضخامت ۲۵۵ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ غیر مجلد للعہ، پتہ:- انجمن ترقی اردو ہند دہلی،

الف لیلہ عربی کی اتنی مشہور و مقبول کتاب ہے کہ اس کا ترجمہ تقریباً دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانون مین

ہوچکا ہے، اردو میں بھی عرصہ ہوا اس کا ترجمہ ہوا تھا، لیکن غالباً مکمل نہیں ہے، دوسرے پرانا ہونے کی وجہ سے جدید مذاق کے مطابق نہیں ہے، اس لئے مترجم مرحوم نے دوبارہ اس کا ترجمہ کیا تھا، اس کے دو حصے اس سے پہلے شائع ہوچکے ہیں، یہ تیسرا حصہ ہے، اس میں دوسو بیسویں رات سے چار سو اکسٹھویں رات تک کی حکایات ہیں، ترجمہ کی صحت کا پورا اندازہ تو اصل سے مطابق کے بعد ہی ہو سکتا ہے لیکن مترجم مرحوم عربی کے فاضل تھے، اس لئے امید یہی ہے کہ ترجمہ صحیح ہوگا، ترجمہ کی عبارت سے مترجم کی احتیاط پوری طرح ظاہر ہے، امید ہے کہ یہ ترجمہ مقبول ہوگا،

تذکرہ دار العلوم از جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت عہ پتہ حبیب کمپنی اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن،

ہندوستان کی سب سے قدیم درس گاہ حیدر آباد کا مدرسہ دار العلوم تھا، جس نے اب جامعہ عثمانیہ کی شکل اختیار کر لی ہے، یہ دار العلوم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں قائم ہوا، سنہ ہجری کے حساب سے اس کے قیام کو نوے سال ہو چکے، اس لئے گذشتہ سال اوس کی ۹۰ سالہ جوبلی منائی گئی تھی، اس طویل مدت میں دار العلوم پر مد وجزر، اور ترقی وتنزل کے مختلف دور گذرے، مصنف نے جوبلی کی یادگار میں اسکی ۹۰ سالہ سرگذشت قلمبند کی ہے، حیدر آباد میں یہ دار العلوم تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس لئے اس سرگذشت میں حیدر آباد کی پوری تعلیمی تاریخ آگئی ہے، آخر میں دار العلوم کے تعلیم یافتہ اشخاص کی علمی و مذہبی خدمات کا ذکر اور ممتاز و نامور اشخاص کے نام دیدیئے ہیں،

چاند سورج کی چوری از جناب جیم چمن دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۸ صفحے قیمت عہ پتہ: نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی،

یہ ایک جاسوسی افسانہ ہے جس میں ہیروں کی چوری اور اس کا انکشاف دکھایا گیا ہے، اس قسم کے افسانے عموماً دوسری زبانوں سے ماخوذ ہوتے ہیں، اس کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ مصنف کا طبعزاد ہے، اسکی تصدیق افسانہ کے پلاٹ سے بھی ہوتی ہے، اس میں پیچ اور حیرت انگیز واقعات کے بجائے سادہ طریقہ سے واقعات کو بیان کر دیا گیا ہے، تاہم افسانہ دلچسپی سے خالی نہیں، "م"

جلد ۵۳ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ جون سنہ ۱۹۴۴ء عدد ۶

مضامین